بلا کم و کاست مفصل اور نہایت ہی مبسوط مشہور

رسالہ

ارسال الیدین

یعنی

نماز میں ہاتھ کھولنے اور باندھنے کا مکمل اور نہایت مدلّل فیصلہ

از تصانیف

عالیجناب سیادت انتساب فخر الحکما صدر العلماء استاد المناظرین
و فخر المتکلمین مولانا الحاج السیّد علی اظہر صاحب دامت برکاتہٗ

حسب فرمائش

منیجر امامیہ کتب خانہ لاہور ریلوے روڈ

بار دوم

قیمت فی جلد ۸/

(مطبوعہ کریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم)

نماز امامیہ باترجمہ معہ اصولِ دین

اس میں تمام واجب نمازوں کے مفصل احکام صاف اور سادہ اُردو زبان میں درج ہیں۔ اس ایڈیشن میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ خطبات جمعہ و عیدین معہ ترجمہ تجہیز و تکفین موتے۔ و تلقین میت باترجمہ وغیرہ ضروری مسائل نہایت شرح و بسط کیساتھ لکھے گئے ہیں۔ لکھائی وچھپائی اعلےٰ کاغذ سفید عمدہ۔ حجم ایکسو صفحہ قیمت باوجود ان تمام خوبیوں کے صرف " " " " ۵/

صدائے حقانی المعروف بہ خروس جیلانی

اس رسالہ میں مؤلف نے اہل جماعت کی نہایت ہی معتبر کتب سے حضرت شیخ جیلانی کے حالات جمع فرمائے ہیں اور اس خوش اسلوبی سے لکھے ہیں کہ موافق و مخالف بڑے ذوق و شوق سے ان کا مطالعہ کر کے حظ اٹھاتے ہیں اور اور حضرت شیخ کے حسب و نسب اور مذہب کے متعلق واقفیت بہم پہنچا کر نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ حجم قریب ایکسو صفحہ ایکدفعہ شروع کرو تو ختم کئے بغیر نہ چھوڑو۔ قیمت صرف - - - - ۶/

مناجات

جناب مولانا زین العابدین صاحب مرحوم کی مقبول مناجات جسکا ہونا ہر شیعہ کے پاس ضروری ہے قیمت ۲/

سُرمہ خاموشی

میر سجاد حسین صاحب کی وہ مشہور عجیب و غریب حقیقت سے لبریز اور سنسنی خیز مقدمہ کی کتاب ہے جو ہر شیعہ کے قابل دید ہے قیمت ۱۰/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اما بعد اس رسالہ کی غرض اصلی اس امر کی تحقیق ہے کہ نماز پڑھنے میں ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہیئے جو طریقہ شیعہ ہے یا ہاتھ باندھ کر جو طریقہ اہلسنت ہے مگر اس تحقیقات کا مدار صرف کتب معتبرہ اہلسنت پر ہے نہ کوئی روایت شیعہ لیجائیگی نہ اُنکی کسی کتاب کا حوالہ دیا جائیگا۔ چونکہ اسکے قبل تین مسائل کی تحقیق اسی قاعدہ سے ہو چکی ہے۔ ایک مسئلہ کلوخ جس میں رسالہ الحجرہ تصنیف ہُوا اور اُس نے تمام عالم کو بتا دیا کہ کلوخ لینے کے بارے میں کسی طرح کی حدیث رسُول اللہ سے نہیں منقول ہے۔ بلکہ تمامی اہلسنت اس مسئلہ میں حضرت عمر کی سنت پر قائم ہیں۔ جس نے ثابت کر دیا کہ اہلسنت کا عمل طریقہ عمری پر ہے نہ سنت نبیؐ پر۔

دوسرا رسالہ وضو جس نے بدیہی طور پر کھول دیا کہ خلاف نص صریح قرآن فامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین جو طریقہ اہلسنت میں جاری ہے کہ وہ غسل قدمین کرتے ہیں اس کے موجد بھی عمر صاحب ہیں نہ خدا اور رسولؐ۔ تیسرا رسالہ البسملہ ہے جس نے تمام عالم پر ثابت کر دیا کہ رسولؐ اللہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز میں ہر سورہ کیساتھ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کو باآواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ مگر چونکہ عمر صاحب اسے نماز میں نہ پڑھتے تھے اسلئے وہی طریقہ اہلسنت میں رائج ہُوا اور آیات وحدیث کے خلاف آجتک عمل کر رہے ہیں

خواہ اہلحدیث ہوں یا حنفی۔ حالانکہ خاص طور پر صحیح بخاری میں اسکا حکم تاکیدی موجود ہے۔ کہ پیشاب میں پوری طہارت کرو۔ عذاب قبر بیشتر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ مگر چونکہ حضرت عمر پانی سے استنجا نہ کرتے تھے بلکہ دیوار پر رگڑ لینے یا زمین پر۔ وہی دستور اہلسنت میں جاری ہے بلکہ اسی صحیح بخاری میں جریدتین کا بھی حکم ہے۔ کہ حضرت نے قبروں پر تر ڈالیاں رکھیں اور بریدہ اسلمی صحابی نے اسکی وصیت کی کہ بوقت دفن اُن کیساتھ جریدتین رکھے جائیں۔ مگر اہلسنّت کا عمل خلاف ہے۔ لہٰذا نہایت واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہلسنت کا عمل سنت عمر پر ہے۔ اور اہلحق شیعہ اثنا عشریہ کا عمل سنت رسول اللہ پر۔ کہ ایک امر میں بھی سنت نبوی کی مخالفت نہیں کرتے۔ تو کیا اب بھی اسکے مدعی ہو سکتے ہیں۔ کہ اُن کا عمل سنت رسول اللہ پر ہے ؟ ہرگز نہیں۔

اب اس رسالہ کی تقسیم ایک مقدمہ اور دو جملوں پر کیجاتی ہے۔ پہلے جملہ میں ہاتھ کھولنے کے دلائل مذکور ہونگے۔ اور دوسرے جملہ میں ہاتھ باندھکر نماز پڑھنے کے دلائل کا ابطال کیا جائیگا۔ شاید کوئی مسلمان اس سے ہدایت پائے اور راہ حق قبول کرے۔ واللہ ولی التوفیق

مقدمہ

اس مسئلہ میں اہلسنت کے چار مذہب ہیں۔ جسکو علامہ عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الامۃ میں ان لفظوں سے لکھتے ہیں۔

فصل واجمعوا علی انه یسن وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ الا فی روایۃ عن مالك و هی المشهورۃ انه یرسل	اجماع کیا ہے (آئمہ اہلسنّت نے) کہ سنت ہے رکھنا داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر نماز میں (۲) مگر مالک سے روایت ہے۔ اور وہی مشہور بھی ہے۔ کہ وہ ہاتھوں کو کھولکر نماز پڑھتے تھے۔

يديه ارسالا وقال الاوزاعي بالتخيير واختلفوا في محل وضع اليدين فقال ابو حنيفة تحت السرة وقال مالك والشافعي تحت صدره وفي سرته وعن احمد روايتان اشهرهما وهي التي اختارها الخرقي كمذهب ابو حنيفة والسنة عند الثلاثة ان ينظر المصلي الى موضع سجوده ص ۳۸ مطبوعہ مصر حاشیہ میزان الکبریٰ

(۳) اوزاعی قائل تخییر ہیں کہ نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے ہاتھ کھول کر نماز پڑھے یا باندھ کر۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہاں رکھے جائیں۔ (۱) ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ زیر ناف (۲) مالک شافعی کہتے ہیں ناف کے اوپر سینہ کے نیچے۔ احمد سے دو روایتیں مشہور ہیں جسے خرقی نے بھی اختیار کیا ہے۔ مطابق ابوحنیفہ ہے (زیر ناف) اور تینوں کے نزدیک یہ سنت ہے۔ کہ مصلی نماز میں نظر کرے طرف موضع سجود اپنے کے

تو اب معلوم ہوا کہ ہر امام کا مذہب جداگانہ ہے ایک ہاتھ کھولتا ہے۔ دوسرا سینہ پر تیسرا زیر ناف رکھتا ہے۔ چوتھا کہتا ہے جہاں چاہو رکھو جس سے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے۔ کہ یہ مذہب رسول اکرم سے نہیں لیا گیا ہے۔ نہ انکے طریقہ پر اُن کا عمل ہے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ حضرت کا کوئی خاص معمول تھا جسکے مطابق آپ نماز پڑھتے ۔ اگر اس مذہب کے اصول و فروع آپ سے ماخوذ ہوتے تو اُن میں یہ اختلاف نہ ہوتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ہر طرح سے پڑھتے تھے۔ یعنے کوئی آپ کا خاص طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جب جیسا دل میں آیا ویسا کیا ہے۔

تو گو یہ مقولہ کسی مسلم کا نہیں ہو سکتا جو حضرت پر ایسا اتہام لگائے مگر بالفرض اگر یہی بات ہے تو پھر ہر امام نے ایک خاص طریقہ اپنا کیوں بنا رکھا جس سے معلوم ہوا کہ بغرض تفریق جماعت مسلمین۔ فرقہ بندی قائم کرنے کیلئے

ہر امام نے ایک ایک خاص صورت نکالی کہ مسلمانوں کی جماعت متفرق ہو۔ تاکہ معلوم ہو کون کس مذہب کا پابند ہے۔ حالانکہ خدا وند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہِ جمیعًا ولا تفرقوا فتذهب ریحکم شعرانی سے تعجب ہے کہ آخر انہوں نے وضع یمین علی الشمال پر دعوے اجماع کیوں کیا۔ حالانکہ اسی مقام پر وہ لکھ رہے ہیں کہ مذہب مالک ارسال ہے۔ (ہاتھ کھولنا) اور اوزاعی کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ قائل تخییر ہیں۔ کہ مصلی مختار ہے ہاتھ کھول کر پڑھے یا باندھ کر۔ پھر اجماع کہاں رہا۔ حالانکہ یہی شعرانی اپنی میزان کبری میں امام شافعی سے ناقل ہیں وبہ صرح الشافعی فی الامام فقال وان ارسلهما ولم یعبث بهما فلا بأس ص۱۲۶ یعنی اسکی تصریح کی ہے شافعی نے ام میں کہ اگر دونو ہاتھ کھول دے اور باندھا نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لہذا معلوم ہُوا کہ شافعی بھی ارسال کے قائل ہیں اور اسکو جائز جانتے ہیں۔

اس تصریح سے معلوم ہُوا کہ اصل مسئلہ میں کوئی دلیل شرعی ان لوگونکے پاس نہیں ہے جس سے ہر قسم کے فتوے دئے گئے۔ آہ آہ نماز جو عمدہ ارکان دین سے ہے۔ بلکہ مطابق عقاید اہلحدیث اصول دین میں داخل ہے اُس کی کیا گت بنائی گئی کہ ظاہری صورت پر بھی نماز کے اتفاق نہیں کہ آخر نماز پڑھی جائے تو کسطرح۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں کہ رسول اللہؐ کیونکر نماز پڑھتے ہیں۔ ہاتھ باندھتے ہیں یا کھول کر پڑھتے ہیں۔

ان اختلافات سے آپ اس نتیجہ پر بھی ضرور پہونچیں گے کہ کوئی روایت صحیح ان کے پاس نہیں ہے۔ جس سے استدلال کر سکیں۔ کیونکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو اسقدر اختلافات نہ ہوتے۔

اُف رے بیخبری مسلمانوں کی نماز سے اور اُسکے ارکان و آداب سے کہ اسدرجہ بیخبر ہے۔ کہ یہ بھی نہ معلوم ہُوا سنت رسول کیا تھی۔ اور اسپر دعوٰی اسلام ہے یہ سب نتیجہ ہے اتباع صحابہ کا جو ماخذ احکام شریعت بنائے گئے۔ اور انکی

روایت یا فعل پر مذہب کا مدار کیا گیا۔ ورنہ اگر وہ اتباع ثقلین کرتے۔ کتاب و عترت طاہرہ سے احکام لیتے تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ شیعوں میں اختلاف ہے۔ نہ کوئی افتراق تمامی مومنین ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہیں جو سنت رسول ہے

مصالح قبض و بسط ید

اگر اس بیان شافی سے کہ اگر یہ لوگ عامل سنت رسول ہوتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا تشفی نہو تو مزید تسکین کیلئے اُن فوائد و مصالح پر نظر کیجئے جو حضرات اہلسنت نے اپنی موشگافی سے توجیہیں نکالی ہیں علامہ عبدالوہاب شعرانی میزان کبری میں لکھتے ہیں صفحہ ۱۲۵ جلد اول۔ مطبوعہ مصر۔

ومن ذلك اتفاق الائمة على استحباب وضع اليمين على الشمال في القيام وما قام مقامه مع قول مالك في اشهر روايتيه انه يرسل يديه ارسالاً ومع قول الاوزاعي انه يتخير فالاول مشدد والثاني وما بعده مخفف وان تفاوت التخفيف ووجه الاول ان صورة موقف العبد بين يدي سيده وهو خاص بالاكابر من العلماء الاولياء بخلاف الاصاغر فان الاولى لهم ارخاء اليدين

یعنی اسی قبیل سے ہے اتفاق آئمہ اربعہ اس پر کہ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا چاہیئے یا جو اسکے قائم مقام ہو۔ حالانکہ قول مالک مشہور ترین روایات میں یہ ہے کہ وہ دونو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز میں پوری طور سے۔ اور قول اوزاعی یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے چاہے کھولے یا باندھے۔ پس پہلا قول (باندھنے کا) مشدد ہے (یعنی سختی کرنیوالا) اور دوسرا مخفف ہے تخفیف کرنیوالا اگرچہ درجہ تخفیف میں تفاوت ہے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عبد کی صورت سامنے اپنے آقا کے یہی ہونی چاہیئے اور یہ خاص ہے اکابر علماء اور اولیاء کیساتھ بخلاف اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کہ اُنکے لئے یہی اولیٰ ہے کہ ارخاء کریں (ہاتھ کھولے رہتے ہیں)

كما قال به مالك رحمه الله
وايضاح ذلك ان وضع
اليمين على اليسار يحتاج
فى مراعاته الى صرف
الذهن اليه فيخرج بذلك
كمال الاقبال على مناجاة
الله عز وجل التى هى روح
الصلوة وحقيقتها بخلاف
ارخائهما بجنبيه ثم
اختلفوا فى محل وضع اليمين
فقال ابو حنيفة تحت
السرة وقال مالك والشافعى
تحت صدره فوق سرته
وعن احمد روايتان اشهر
هما كمذهب ابى حنيفة
واختارها الخرقى ووجه
الاول خفة كونها تحت
السرة على المصلى بخلاف
وضعها تحت الصدر فانه
يحتاج الى مراعاتها لثقل
اليدين وتدليهما اذا
طال الوقوف فرجع الامر
الى مرتبتى الميزان

جیساکہ مذہب مالک ہے۔ توضیح اسکی یہ
ہے۔ کہ دائیں ہاتھ کا رکھنا بائیں پر۔ اسکا
محتاج ہے۔ کہ ذہن بٹا رہے جس سے
کمال اقبال یعنی توجہ میں کمی آجائیگی حالانکہ
یہی روح نماز ہے۔ اور حقیقت صلاۃ (یعنی
ہاتھ باندھنے سے خضوع وخشوع میں کمی
ہوتی ہے) بخلاف ہاتھ کھولنے کے دونو
طرف (کہ اسمیں خضوع میں کمی نہ ہوگی)
پھر اسمیں اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہاں
رکھے جائیں۔ ابو حنیفہ تو تحت السرۃ کہتے ہیں
(زیر ناف) اور مالک وشافعی کہتے ہیں تحت
الصدر فوق السرۃ (سینہ کے نیچے ناف کے
اوپر) احمد سے دو روایت ہیں مشہور وہی
ہے جو موافق ابو حنیفہ ہے۔ اسی کو خرقی نے
اختیار کیا ہے پہلے (زیر ناف) کی یہ وجہ ہے کہ
کہ اگر وہاں رکھینگے تو نماز پڑھنے والے پر کوئی
ثقل (بوجھ) نہ ہوگا۔ بخلاف اسکے کہ اگر سینہ کے
نیچے رکھینگے تو وہ اسکا محتاج ہوگا۔ کہ ہر وقت
اس کا خیال رکھا جائے۔ کیونکہ ہاتھ
خود ثقیل ہے۔ اور فطرۃً وہ نیچے
لٹکنا چاہتا ہے۔ جب دیر تک قیام
رہے۔ تو اب میزان کے دونو
طرف رجوع کرنا پڑا۔

فذلك كان استحباب وضع اليدين تحت الصدر خاصًا بالاكابر الذين يقدرون على مراعاة شيئين معًا في آن واحدٍ دون الاصاغر وسمعت سيدي عليا الخواص رحمه الله يقول وجه قول من قال بعدم استحباب وضع اليدين تحت الصدر مع ورود ذلك من فعل الشارع كون مراعاة المصلي دواجهما تحت الصدر يشغله غالبًا عن مراعاة كمال الاقبال على مناجاة الله عزوجل فكان ارسالهما وجعلهما تحت السرة مع كمال الاقبال على المناجاة والحضور مع الله اولى من مراعاة هيئة من الهيئات فمن عرف من نفسه العجز عن مراعاة كون يديه تحت صدره في الصلوة الا مع الغفلة

اس لئے مستحب ہُوا ہاتھ رکھنا سینہ کے نیچے۔ اکابر علماء اولیاء کے لئے۔ جو قادر ہیں دونو امر کی مراعات کے (یعنی خضوع کا بھی خیال رکھیں۔ اور ہاتھوں کو سینہ کے نیچے بھی سنبھالیں) نہ اصاغر (یعنے کم درجہ والوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

میں نے اپنے سید علی خواص رحمہ اللہ سے سُنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ سینہ کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ فعل شارع سے ثابت ہے (باوصف ثبوت مخالفت کمال تعجب خیز ہے) تو اس کی یہ وجہ ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب پورا نہیں حاصل ہوتا۔ حالانکہ اصل نماز ہی حضور قلب ہے اسی لئے ہاتھوں کا کھولنا اولیٰ ہے۔

عن كمال الاقبال على الله عز وجل فارسال يديه بجنبيه اولى وبه صرح الشافعي في الام فقال وان ارسلهما ولم يعبث بهما فلا بأس ومن عرف من نفسه القدرة على الجمع بين الشيئين معًا في ان واحد كان وضع يديه تحت صدره اولى بذلك بحصل الجمع بين اقوال الائمة رضي الله عنهم انتهى۔ صـ۱۲۵

اور اسی کی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب ام میں کہ اگر ہاتھوں کو کھول دے دونو بغل کی طرف اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو شخص اپنی نفس سے جانے کہ حضور قلب اور ہاتھونکے رکھنے کو دونو کو ساتھ ہی سنبھال سکتا ہے تو اس کیلئے سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے اور اس طریقہ سے آئمہ اربعہ کے اقوال میں جمع حاصل ہوگا

تمام ہُوا ترجمہ ۱۲ ۱۲ ۱۲

یہ ہیں توجیہیں اور اسکا نام ہے موشگافی کس کس طرح بال کی کھال نکالی جاتی ہے۔ مگر نہ اس میں کوئی قول رسول ہے۔ نہ قول خدا بلکہ آئمہ اربعہ کی جدت پسندی ہے اور شعرانی کی موشگافی جسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اصل مقصود بلکہ نماز کی روح کیا ہے حضور قلب وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ جب ہاتھ کھلے رہیں کیونکہ اسوقت بس اس کا دل و دماغ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ اگر ناف پر رکھے یا سینہ پر تو ہر حال میں حضور قلب میں فرق آئے گا۔ اور پورے طور سے حضور قلب نہ ہوگا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہتر کیا ہے ہاتھ کا کھولنا جس سے حضور قلب پورے طور سے ہو سکتا ہے۔ کہ ہاتھ باندھنا جس سے بہر طور حضور قلب میں کمی ہوگی۔ اب یہاں تعصب مذہبی کو چھوڑ دیجئے اور پہلے کسی شیعہ کی مسجد میں جاکر اس کے پیش نماز کو دیکھئے (کیونکہ عوام کا اعتبار نہیں) پھر

اُس کے بعد آپ پہلے حنفیوں کی مسجد میں جائے پھر اہلحدیث کی مسجد میں۔ اور غور کی نگاہ سے دونو کے افعال نماز پر نظر کیجیئے تو صاف معلوم ہوگا شیعہ نماز کو ایک عبادت سمجھ کر پڑھ رہا ہے اور سُنّی اپنی نوکری بجالا رہا ہے کہ جلد کام کر کے بھاگو۔

ہاں شعرانی نے جو حنفی المذہب ہیں آئمہ اربعہ کے اختلاف سے مسلمانوں کو تین کلاس پر منقسم کیا ہے ایک (لور کلاس) ادنی (اصاغر) دوسرے انٹرمیڈیٹ (اکابر) تیسرے (فرسٹ کلاس) اون کے بھی بزرگ۔ اصاغر یعنی پست درجہ والوں کیلئے تو اسکا فتوٰے دیا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھیں کیونکہ اسمیں حضور قلب زیادہ ہے۔ اور یہی فتوٰی امام مالک ہے جس کا مطلب یہ ہُوا کہ امام مالک کا درجہ پست ہے وہ ادنے درجہ کے لوگوں کے امام ہیں۔ حالانکہ بالاتفاق اہل سُنّت اُن کو سب سے معظم و محترم جانتے ہیں۔

دوسرے درجہ کے امام اعظم ہیں جو زیر ناف ہاتھ رکھنے کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں پھر بھی آسانی ہے اور حضور قلب بہ نسبت پہلے کے کم۔

تیسرے یعنے فرسٹ کلاس کے امام شافعی ہیں جس میں زیادہ دقت ہے کہ زیر صدر ہاتھ رہے اور حضور قلب بالکل نہ ہو۔

تو اس تقسیم کا ماحصل یہ ہُوا کہ جسقدر حضور قلب کم ہوگا اسی درجہ اس کی عزت ہے کیونکہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب میں کمی کا ہونا لازم ہے تو پھر اس کی عظمت کے قائل ہونیکا یہی نتیجہ ہے کہ جہانتک حضور قلب کم ہو وہ بہتر ہے۔

اسکی وجہ تو آپ کو معلوم نہ ہوگی کہ اسکی ابتدا کس سے ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں۔ ابو بکر عن عروۃ قال عمر انی لاحسب جزیۃ البحرین وانا فی الصلوۃ۔ ابو بکر عن عثمان النہدی قال عمر لا جھز جیوشی وانا فی الصلوۃ ص۹۳ یعنی ابو بکر عروہ سے ناقل ہیں کہ کہا عمر نے بتحقیق میں حساب کرتا ہوں جزیہ شہر بحرین کا نماز میں اور ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ کہا عمر نے میں تو اپنا لشکر تیار کر کے روانہ کر دیتا

ہوں حالانکہ میں نماز پڑھ رہا ہوں۔

تو اب معلوم ہُوا کہ اصلی اسکی وجہ کہ حضور قلب والی نماز پست درجہ کی اسی وجہ سے ہے کہ خلیفہ دوم کے دستور العمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ انکی نماز تو صرف اسلام کی زورداری کیلئے تھی۔ مگر افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو اس مسئلہ خاص میں کوئی روایت نہ ملی کہ آخر حضرت عمر نماز کیونکر پڑھتے تھے۔ ہاتھ کھولکر یا باندھ کر مگر جب یہ مسلّم ہو چکا کہ ہاتھ باندھنے سے حضور قلب میں فرق آتا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہوں کیونکہ جزیہ وغیرہ کا حساب لشکر کی روانگی بھی تو توجہ قلب پر منحصر ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ہاتھ باندھکر نماز پڑھیں اور آیندہ معلوم ہوگا کہ تمامی اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھیں۔

یہاں اگر نماز جناب امیرؑ پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے تو معلوم ہو کہ اسکی کیا حالت تھی کیونکہ تمام عالم کو معلوم ہے کہ حضرت اس حضور قلب سے نماز پڑھتے تھے کہ پائے مبارک سے تیر نکال لیا جاتا تو آپکو اس کے درد والم کا احساس نہ ہوتا حالانکہ قبل نماز اُسکا نکالنا نہایت موذی اور تکلیف دہ تھا کہ نکل نہ سکتا تھا۔

بہر حال ان تحقیقات سے اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضور قلب صرف اُسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب ہاتھ کھلے رہیں۔ اور ہاتھ باندھنے میں وہ بات کسی طور سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ تو اب جن لوگوں کو نماز بحضور قلب پڑھنا ہو اُن کو یہی لازم ہے۔

ہاں یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ تقسیم کس قاعدہ سے کی گئی ہے۔ کیا خدا کا کوئی حکم ہے یا رسولؐ کا کہ تم آدمیوں کو تین حصّہ پر تقسیم کرو۔ ایک اکابر۔ دوسرے اوسط۔ تیسرے اصاغر اور تینوں کے لئے نماز کی ہیئت کا حکم جداگانہ ہے اگر یہ تقسیم شارع علیہ السلام سے ثابت ہو جائے تو بہتر ورنہ آیہ فمن یشاقق الرسول پر خیال کرنا چاہیئے

قرآن سے استدلال ہاتھ باندھنے پر

اب اسپر اور ترقی کیجئے تو ایک ایسا زعفران زار کشمیر نظر آئے کہ سارے

نظاروں کو آپ بھول جائیں کیونکہ یہی علامہ شعرانی اپنی کتاب میں شیخ اکبر محی الدین عربی کا ایسا لطیفہ نقل کرتے ہیں جس سے سننے والوں کے پیٹ میں بل پڑ جائے۔ کیونکہ انہوں نے قرآن سے بلکہ خود سورہ الحمد للہ سے اسکو ثابت کر دیا ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھنا چاہیئے۔ دیکھیئے علامہ شعرانی کبریت احمر فی علوم الشیخ الاکبر میں لکھتے ہیں۔ ص۵۵ برحاشیہ الیواقیت والجواہر۔

ذکر الشیخ فی الباب التاسع والستین وثلثمائۃ ما نصہ اعلم ان من آداب الوقوف بین یدی اللہ تعالیٰ فی الصلوٰۃ الذل والمسکنۃ والتکتف شغل العبد الذلیل فی حال مناجاۃ سیدہ وقد وردت السنۃ بذلک وھو عندی احسن من اسبال الید بن قال وایضاح ما قلناہ ان اللہ تعالیٰ قسم الصلوٰۃ بینہ وبین عبدہ نصفین فجزء منہا یخلص للہ من اولہا الی قولہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فھذا بمنزلۃ الید الیمین اشارۃ للقوۃ الالھیۃ قال تعالیٰ لاخذنا منہ بالیمین والجزء الاخر یخلص للعبد من قولہ

یعنی شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۹ میں لکھا ہے کہ ادابِ وقوف سے سامنے خداوند عزوجل کے تذلل و سکنت ہے اور ہاتھ باندھنا شغل عبد ذلیل ہے۔ وقت مناجاۃ خداوند عزوجل اور اسی کے مطابق سنّت بھی وارد ہے اور یہ میرے نزدیک ہاتھ کھولنے سے افضل ہے توضیح اسکی یہ ہے کہ خدا نے نماز کو دو حصہ پر تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ بندہ کیلئے۔ بس جو جزو کہ خالص ہے خدا کے لئے اس کی ابتدا بسم اللہ سے ہے مالک یوم الدین تک۔ یہ بمنزلہ دست راست کے ہے جسمیں اشارہ ہے طرف قوت الٰہیہ کے کہ خدا فرماتا ہے واخذناہ بالیمین اور دوسرا جزو جو خاص بندہ کا حصہ ہے وہ شروع ہوتا ہے

اهدنا الى اُخر السورة فهذا
بمنزلة اليسرى الذی هو
الجانب الاضعف الاصغر
قال ولما کان جزأ منها بين
الله وبين عبده وهو قوله
اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ
جمع العبد بين يدی فی الصلوۃ
بجامع المناجاۃ فکملت صفۃ
العبد بجمعه بين يديه ولو
اسبل يديه لم تکمل صفته
فانظر الی هذه الحکمۃ ما
اجلاها للذی عينين انتهی
ثُم لايخفی انه اذا کان جعل
اليدين علی الصدر تشغل
العبد عن مناجاۃ ربه فارسالهما
اولی فالتحقيق ان جعل اليدين
علی الصدر للکملاء الذين
لا يشغلهم ذلك عن الله تعالی و
ان ارسالهما اولی لغير الکمال
اذ مراعاۃ وضعهما علی
الصدر يشغل عن کمال
التوجه فليتامل والله اعلم
عرہ ۵ برحاشيه اليواقيت والجواهر

اهدنا الصراط المستقیم سے آخر
سورہ تک. پس یہ بمنزلہ دست چپ
ہے جو جانب ضعیف وصغیر ہے
اور چونکہ ایک جزاس سورہ کا مشترک
ہے درمیان خدا اور بندہ کے کہ وہ آیہ
اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ہے
لہذا بندہ کے جمع کرنیسے دونوں
ہاتھوں کے سامنے خداوند عالم کے
کامل ہوتی ہے صفت عبودیت
اور دیکھو یہ کیسی حکمت ہے جو واضح
ہے صاحب معرفت کے لئے
خود شعرانی بعد نقل اس عبارت
کے لکھتے ہیں کہ جب ہاتھوں کا رکھنا
سینہ پر انسان کو باز رکھتا ہے
مناجات خدا سے تو ہاتھوں کا کھولنا
اولیٰ ہے پس تحقیق یہ ہے کہ ہاتھوں کا
رکھنا سینہ پر ان کاملوں کیلئے ہے
جنہیں اس طرح کے ہاتھ رکھنے سے
مناجات خدا میں فرق نہ آتا ہو اور
ہاتھوں کا کھولنا اولیٰ ہے غیر صاحب
کمال کے لئے کیونکہ ہاتھوں کے رکھنے
کا خیال باز رکھتا ہے مناجات
اور کمال توجہ سے ..

اسکا نام ہے معرفت اور اسکا نام ہے تحقیق کہ کس خوبصورتی سے ہاتھ باندھنے کو قرآن سے نہیں بلکہ سورۂ الحمد سے ثابت کر دیا کیونکہ سورہ الحمد کا نصف حصّہ خدا کے لئے ہے وہ دایاں ہاتھ ہُوا۔ اور نصف حصّہ بندوں کیلئے وہ بایاں ہاتھ ہُوا۔ اور چونکہ ایک آیہ میں خدا اور بندہ دونو شریک ہیں لہذا دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا چاہیئے۔

کیا کہنا اس تحقیق کا اور کیا کہنا ہے اس عرفان کا کہ ماریں سر پھوٹے گھٹنا اسی کا نام ہے۔

لطیفہ شب قدر

یہاں بے اختیار وہ لطیفہ یاد پڑتا ہے کہ خلیفہ دوم کے سامنے لیلۃ القدر کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ کونسی شب ماہ مبارک رمضان میں لیلۃ القدر ہے یہ معمّا کسی طرح حل نہ ہوتا تھا۔ لہذا خلیفہ دوم نے حضرت ابن عباس سے فرمائش کی غوطہ لگا کر لیلۃ القدر کا پتہ لگاؤ۔ ابن عباس نے چٹکیوں میں حل کر دیا کہ لیلۃ القدر میں نو حرف ہیں اور تین مرتبہ اسکا ذکر سورۃ القدر میں آیا ہے۔ لہذا ۹ کو تین میں ضرب دو تو ۲۷ حاصل ہوتے ہیں پس یہی شب قدر ہے۔ اور اسی پر تمامی اہلسنت کا عمل ہے کہ ۲۷ کو شب قدر مناتے ہیں۔

جس مذہب کا یہ استدلال ہو اور اسطرح مذہب قائم کیا جاتا ہو۔ پھر اس مذہب کا کیا ٹھکانا اور کیا حساب۔ کہ جدھر کا جوڑ چاہا جدھر لگا دیا اور ایک مسئلہ گھڑ لیا۔

اگر آپ کو میرا کلام باور نہ آئے تو تحقیقات اہلسنت ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کن لفظوں سے اس تحقیقات کو لکھتے ہیں۔ اور پھر شرماتے نہیں تفسیر کبیر میں ہے صفحہ ۳۰۶ جلد (۸)۔ وثالثہا نقل عن ابن عباس انہ قال لیلۃ القدر تسعۃ احرف وھو مذکور ثلث مرات فیکون السابعۃ والعشرین اور فتح الباری میں ہے وقد استنبط بعضہم ذلک من جھۃ اخریٰ

فقال لیلۃ القدر تسعۃ احرف اعیدت فی السورۃ ثلث مرات فذلک سبع وعشرون ص۳۲۳ جلد ۲ ترجمہ تفسیر کبیر۔ یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا لیلۃ القدر میں نو حرف ہیں اور تین مرتبہ سورہ میں آیا ہے لہذا ۲۷ تاریخ شب قدر ہے۔

اور فتح الباری میں ہے کہ بعض لوگوں نے دوسری طرح سے استنباط کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو حرف ہیں اور سورہ میں تین مرتبہ اسکا اعادہ کیا گیا لہذا ۲۷ شب قدر ہے۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اسی فتح الباری میں ہے۔ وزعم ابن قدامہ ان ابن عباس استنبط ذلک من عدد کلمات السورۃ وقد وافق قولہ فیہا ھی سابع کلمۃ بعد العشرین وھذا نقلہ ابن حزم عن بعض المالکیۃ وبالغ فی انکارہ نقلہ ابن عطیہ فی تفسیرہ وقال انہ من ملح التفاسیر ولیس من متین العلم ص۲۲۳ یعنی ابن قدامہ نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن عباس نے ۲۷ تاریخ کا استنباط کیا ہے عدد کلمات سورۃ سے تو لفظ ھی ستائیسواں کلمہ پڑا لہذا معلوم ہوا کہ یہی تاریخ شب قدر ہے اسکو نقل کیا ہے ابن حزم نے بعض مالکیہ سے اور پھر بہت مبالغہ کیا ہے اسکے رد میں اور نقل کیا ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں اور کہا یہ ملح تفاسیر سے ہے نہ متین علم سے۔

اس تحریر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہلسنت کا مدار کن اصول پر ہے۔ کہ نہ قول خدا سے کام ہے نہ حدیث رسول سے بلکہ توہمات و خیالات پر اسکی بنا ہے کیونکہ ہاتھ باندھنے کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ اور شب قدر کا حال معلوم ہی ہوا کہ کہیں ۹ کو تین میں ضرب دیتے ہیں کہیں کلمات سورہ کو گنتے ہیں حالانکہ خود ان کے یہاں باتفاق۔ اکثر اہل علم ثابت ہے کہ یہی ۲۳ رمضان شب قدر ہے مگر شیعوں سے مخالفت کرکے ۲۷ بنایا گیا۔

اسی پر ہاتھ باندھنے کو نماز میں قیاس فرمائے کہ محض اس سے کہ شیعہ مطابق سنت رسول ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہیں اسلئے انہوں نے ہاتھ باندھکر نماز پڑھنا شروع کیا۔

جیسا کہ نماز میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کا بہ آواز بلند کہنا۔ اس لئے ترک کیا گیا کہ شیعیان مصر جو خلیفہ تھے بآواز بلند کہا کرتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے۔ واما ترك الجهر بالبسملة فی جوامع بغداد لان العلويين اصحاب مصر کانوا یجهرون بها فترك ذلك مخالفة لهم لا اتباعا لمذهب احمد الامام ص۳۱۱ جلد ۱۰۔ یعنی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا نماز میں بغداد کی مسجدوں میں اسوجہ سے موقوف کیا گیا کہ خلفائے علوین جو مصر میں تھے بہ آواز بلند کہا کرتے تھے۔ انکی مخالفت کے خیال سے موقوف کردیا گیا نہ اسوجہ سے کہ یہ مذہب امام احمد بن حنبل تھا۔

جہر بسم اللہ خلفائے علوین کی خلافت مصر میں ۲۹۷ھ سے قائم ہوئی پہلے ادھر زیادہ توجہ نہ ہوئی مگر بعد کو بہت کوشش کی گئی کہ وہ مٹا دی جائے مگر چند روز وں میں اسکی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خود بغداد میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ مگر آخر میں دونو خلافتیں مٹ گئیں۔ لہذا اس تحریر سے معلوم ہُوا کہ ایک عرصہ تک بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری رہا۔

اس ترک بسم اللہ کی ابتدا اگرچہ شیخین سے ہوئی مگر بعد ان کے جناب امیر المومنین کی بدولت یہ سنت رائج ہو چکی تھی کہ معویہ نے پھر سنت شیخین کو عداوت امیرؑ سے رائج کرنا چاہا۔ دراسات اللبیب میں ہے ومنها ترك التسمية فی الصلوة جهر الما قدم المدينة المطهرة انكرت عليه ذلك المهاجرون والانصار وقالوا اسرقت التسمية يا معوية ص۷۶ یعنی معویہ کی بدعتوں سے ہے کہ جب مدینہ آیا تو اس نے نماز میں بسم اللہ کو بہ آواز بلند کہنا ترک کیا جسپر ہر طرف سے مہاجرین و انصار نے غل مچایا کہ بسم اللہ کو چرا لیا اے معویہ۔ جس سے معلوم ہُوا کہ خلافت علوین مصر کے قبل بھی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری تھا۔ معویہ نے جبراً چاہا کہ موقوف کرے مگر نہ ہو سکا۔

یہ مسئلہ قدیم الایام سے اختلافی ہے اور مذہب حق یہی ہے کہ ہر نماز

میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آواز بلند کہنا چاہیئے چنانچہ رسالہ البسملہ میں پوری تحقیق اس کی کردی گئی ہے۔ یہاں بمناسبت مقام میزان کبری شعرانی کی یہ عبارت کافی ہے لکھتے ہیں۔ صفحہ ۱۲۵ جلد اول۔

ومن ذلك قول الامام ابی حنیفة ومالك ان البسملة ليست من الفاتحة فلا تجب مع قول الشافعی واحمد انها منها فتجب وكذلك القول فی الجهر بها فان مذهب الشافعی الجهر بها ومذهب ابی حنیفة الاسرار بها وكذلك احمد وقال مالك يستحب تركها والافتتاح بالحمد لله رب العلمين وقال ابن ابی لیلی يتخير وقال النخعی الجهر بها بدعة فرجع الامر فی المسئلتين الی مرتبتی المیزان ووجه الاول فی المسئلة الاولی والثانية الاتباع فقد ورد انه صلی الله علیه وسلم كان يقرءها مع الفاتحة تارةً ويتركها تارةً اخری فاخذ كل مجتهد بما بلغه من احدی الحالتين وفی ذلك تشريع للاكابر والاصاغر من اهل الكشف والحجاب فمن

یعنی انہیں اختلافات سے مسئلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے کہ ابوحنیفہ و مالک کہتے ہیں وہ جزو سورۃ الحمد نہیں ہے۔ لہذا واجب نہیں قول شافعی و احمد یہ ہے کہ کہ جزو سورہ ہے لہذا واجب ہی اب اس میں اختلاف ہے کہ جہر کرنا چاہیئے شافعی قائل جہر ہیں کہ بلند آواز سے کہو۔ مذہب ابی حنیفہ یہ ہے کہ اگرچہ واجب نہیں ہے مگر کہو تو آہستہ یہی مذہب احمد ہے مالک قائل ہیں کہ ترک بسم اللہ مستحب ہے الحمد للہ سے شروع کرنا چاہیئے ابن ابی لیلی قائل تخییر ہیں چاہے کہے یا نہ کہے نخعی قائل ہیں کہ جہر کرنا بدعت ہے تو اب یہ مسئلہ میزان میں دو امر کی طرف راجع ہے وجہ اول دونو مسئلہ میں اتباع ہے کیونکہ وارد ہوا ہے کہ حضرت کبھی پڑھتے تھے کبھی نہ پڑھتے تھے جس مجتہد کو جیسی روایت پہنچی اسی پر عمل کیا غرض رسول اللہ نے خود اختلاف ڈالا) اس اختلاف سے اکابر و اصاغر کے لئے دو حکم علیحدہ ہوئے جسکا حجاب مرتفع ہوا مرتبہ

رفع حجابه حين دخل في الصلوة
وكان مشاهدًا للحق تعالى بقلبه
فلا يناسبه ذكر الاسم الذي هو
شعار اهل الحجاب ومن لم يكشف
حجابه فالمناسب له ذكر الاسم
الشريف ليتذكر به صاحب الاسم
كما ورد في بعض الهواتف الربانية
اذا لم ترني فالزم اسمي فاخذنا
من هذا ان من رآه بقلبه لا
يؤمر بذكر اسمه ومن هنا الغز
بعضهم ذلك في شعره فقال ؎
بذكر الله تزداد الذنوب
وتنطمس البصائر والقلوب
وذكر الله افضل كل شئ وشمس
الذات ليس لها مغيب ويؤيد ذلك
قول الشبلي رحمه الله حين قالوا له متى
تستريح فقال اذا لم ار الله تعالى ذاكرا
أي لان الذكر لا يكون الا في حال
الحجاب عن شهود المذكور فما تمنى
الشبلي الا حضرة الشهود لانها وهي التي
لا يرى الله تعالى فيها ذاكرا بلسانه اكتفاء
بمشاهدته تعالى ومناجاته بالقلب و
حضرة الحق تعالى بهت وخرس لشدة

کشف میں پہونچا اور خدا کے مشاہدہ
سے فائز ہُوا اس کو تو مناسب
نہیں کہ خدا کا نام لے کیونکہ حضور
میں حاضر ہے اور جس کو یہ
درجہ نہیں حاصل ہُوا اُسے
کہنا چاہیئے۔ اس کیطرف
اس شعر میں اشارہ کیا گیا
ہے ؎ خدا کے یاد کرنے
سے گناہ بڑھتے ہیں۔
اور آنکھ اور دل اندھے
ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ ذکر
خدا ہر شئے سے افضل
ہے۔ اور شمس ذات
کبھی غائب نہیں ہوتا۔
اسی کا موید ہے قول
شبلی کہ کسی نے پوچھا
تم کو کب آرام ملتاہے
کہا جب دیکھتے ہیں کہ
خدا کا کوئی یاد کرنے والا
نہیں ہے۔ کیونکہ ذکر
ہمیشہ حالت غیبت میں
ہوتا ہے۔ لہذا شبلی نے
خواہش کی کہ ہمیشہ شہود

ما يطرق لهما من الهيبة والتجلي قال تعم
وخشعت الاصوات للرحمن فلا تسمع الا
همسا وسمعت اخي فضل الدين رحمه الله
يقول الذكر باللسان مشروع للاكابر و
الاصاغر لان حجاب العظمة لا يرتفع لاحد
الا للانبياء فلابد من حجاب لكنه رقيق
فقط انتهى وهو كلام نفيس لا يوجد في
كتاب وسمعت سيدي عليا الخواص
رحمه الله يقول ذكر الله تعالى على نوعين
ذكر لسان وذكر حضور كما ان ترك
الذكر كذلك على نوعين ترك من حيث
الغفله وترك من حيث الحضور والدهشة
فالاول من الذكرين مفضول والثاني
فاضل الاول من التركين مذموم والثاني
محمود وهو الذي حملنا عليه قول الشبلي
آنفا وسمعت سيدي عليا المرصفي رحمه
الله تعالى يقول انما كان رسول الله صلى الله
عليه وسلم يترك البسملة في بعض الاوقات*
تشريعا لضعفاء امته واقويائهم والا
فهو صلى الله عليه وسلم حاضر
مع ربه على الدوام لانه
ابن الحضرة واخو الحضرة
وامام الحضرة۔

* ويلفظ بها في بعض الاوقات

رہے کیونکہ اسی وقت خدا کے یاد
کرنیوالے کو نہیں دیکھتے۔
میں نے اپنے بھائی افضل الدین کو
سنا کہتے تھے کہ ذکر خدا زبان سے اصاغر
واکابر سب کیلئے مشروع ہے
کیونکہ حجاب عظمت کسی کیلئے کبھی
نہیں اٹھتا مگر انبیاء کیلئے لہذا
حجاب کا ہونا ضروری ہے مگر وہ
دقیق ہے یہ کلام نہایت نفیس ہے جو کسی
کتاب میں نہیں ملتا۔ سید علی خواص کہتے
تھے کہ ذکر خدا دو قسم پر ہے ذکر لسان ذکر
حضور۔ جیسا کہ ترک ذکر بھی دو قسم
پر ہے ایک ترک غفلت دوسرے ترک
حضور و دہشت پہلا ذکر مفضول ہے
اور دوسرا فاضل اور دونو ترک سے
پہلا ترک غفلت مذموم ہے اور
دوسرا محمود۔ اسی پر قول شبلی محمول ہے
سید علی مرصفی کہتے تھے کہ آنحضرت
اسوجہ سے کبھی بسم اللہ کہتے تھے اور
کبھی نہیں کہتے تھے کہ امت کے لئے
جنمیں ضعیف وقوی سب داخل ہیں
ایک شریعت قائم ہو۔ ورنہ حضرت
تو ہر وقت مرتبہ شہود میں رہتے تھے

وسمعت سیدی علیا الخواص رحمه الله تعالی یقول لولا ان الله تعالی امر الاکابر بالجهر بالقراءة والاذکار لاذا وقفوا بین یدیه فی الصلوة ما اجترء احد منهم ان ینطق بکلمة لعموم الهیبة لاهل تلك الحضرة ولکن ربما تجلی له الحق تعالی فی بعض الاوقات بما هو فوق طاقته فعجز عن الجهر بالبسملة او بالتکبیر فیکون ذلك من باب قوله صلی الله علیه وسلم انما انسی لیستن بی فافهم

سید علی خواص کہتے ہیں خدا نے اس لئے اکابر کو حکم دیا جہر بالقراءۃ کا (با آواز بلند پڑھنا) کہ اگر ایسا نہ کرتا تو پھر کسی کو جرات نہ ہوتی کہ کوئی کلمہ کہہ سکے کیونکہ ہیبت خداوند عالم اس قسم کے لوگوں کو ہر وقت محیط رہتی ہے مگر بعض اوقات اس طرح کی تجلی ہوتی ہے جو طاقت بشری کے مافوق ہے جس سے نہ تکبیر کرسکتا ہے نہ جہر کرسکتا ہے تو یہ اس قسم سے ہی کہ حضرت فرماتے مجھے اسوجہ سے نسیان ہوجاتا ہو کہ لوگ میری پیروی کریں

میری غرض اس مسئلہ کی تحقیقات یہاں نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا ہے کہ شریعت رسول اللہ کسطرح تباہ کی گئی ہے اور کس طرح کا اختلاف ڈالا گیا ہے جو قیامت تک مٹنے والا نہیں حالانکہ بقول فخر رازی یہ امر بتواتر ثابت ہے کہ رسول اللہ بہ آواز بلند بسم اللہ پڑھا کرتے۔ پھر یہ لوگ کیونکر اس کے مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم سنت رسول کے عامل ہیں۔ سب سے زیادہ خرابی ان صوفیوں نے ڈالی ہے جو اولیاء کرام کہے جاتے ہیں اور اس طرح کی خرابی شریعت میں ڈالتے ہیں جسکی کوئی انتہا نہیں۔ شریعت کو دو حصہ پر منقسم کررہے ہیں۔ ایک اولیا کیلئے۔ دوسرے معمولی آدمیوں کیلئے۔ اور درجہ رسول میں معمولی انسانکے برابر قرار دیتے ہیں۔

رجوع اصل مسئلہ کیطرف

بہر حال اصل مسئلہ کے متعلق اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ حضور قلب کیلئے بھی مناسب ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھی جائے اور ہاتھ باندھکر نماز پڑھنے

میں حضور قلب نہیں ہوتا۔ تو ایسا امر کرنا کب جائز ہوگا جس سے اصلی مقصد نماز فوت ہو

جملہ اولیٰ دلائل ارسال یدین

اب ہم یہاں اُن دلائل شرعیہ کو لکھتے ہیں جس سے اسکا اثبات کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہیئے۔ اور یہی سنت رسول اللہ ہے۔

اہلسنت کے یہاں دلائل شرعی چار ہیں کتاب۔ سنت۔ اجماع قیاس مگر اہلحدیث قیاس کے منکر ہیں۔ اور اجماع میں بھی کلام ہے۔ مگر با اینہمہ اُس کے قائل ہیں لہذا انہیں تینوں دلیل سے ہم کو کام لینا پڑے گا۔

کتاب اللہ کی نسبت اہلسنت کا قطعی فیصلہ ہے کہ نماز کی نہ ہیئت اسمیں مذکور ہے نہ ارکان و فرض و سنن بلکہ ان سب کا ماخذ قول یا فعل رسول اللہ ہے مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے اصل ان کے یہاں قول یا قول یا فعل صحابی ہے حالانکہ زبانی اس سے بھی انکار ہے کہ کہتے ہیں قول و فعل صحابی حجت نہیں۔ مگر جس مسئلہ میں دیکھا جائے اصل الاصول انکا یہی ہے کہ قول یا فعل صحابی ہے مگر تاہم آیہ افنجعل المسلمین کالمجرمین بتا رہا ہے کہ مسلمانوں کی شان مثل مجرمونکے نہ ہونا چاہیئے۔ اب خود غور کر لیجئے کہ ہاتھ باندھنے میں کیا شان پیدا ہوتی ہے۔ آیا وہ کالمجرمین بنتے ہیں یا نہیں۔

دوسرے آیۂ فاستقم کما امرت ہدایت کرتا ہے استقامت کی اور استقامت ظاہری حالت صلوۃ میں ارسال یدین سے حاصل ہوتی ہے نہ ہاتھ باندھنے سے لہذا ارسال افضل ہے قبض ید سے کیونکہ خداوند عالم کج ہونیکی مذمت کرتا ہے والذین تبغونھا عوجاً

ان آیات سے اگرچہ فقہا نے ہاتھ کھولنے پر استدلال نہیں کیا ہے لہذا میں بھی اس سے استدلال نہیں کرتا۔ مگر اہل فہم کو اسطرف اشارہ کرتا ہوں کہ وہ غور کریں سا احادیث عمدہ ادلہ فریقین کل احکام شرعیہ میں حدیث ہے کیونکہ

احکام قرآن مجمل ہیں اور احادیث میں اسکی تفصیل ہے جس سے فریقین استدلال کرتے ہیں اور احکام فقہیہ کو ثابت۔

کتب احادیث اہلسنت میں نہ کوئی قول رسول اس بارے میں ہے نہ فعل رسول۔ اور جو حدیث کہ حضرت کی طرف منسوب ہے اُسکی حقیقت دوسرے جملہ میں دکھائی جائے گی۔ لہذا یہاں صرف احادیث صحابہ پیش کی جاتے ہیں۔ جو عمدہ اصول دین اہلسنت ہے کیونکہ قول وفعل صحابہ کے مقابل میں ان کے نزدیک نہ قول خدا قابل اعتبار ہے نہ حدیث رسول۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

من كان يرسل يديه في الصلوٰة

حدثنا هشيم عن يونس عن الحسن ومغيرة عن ابراهيم انهما كان يرسلان ايديهما في الصلوٰة. ثنا عفان ثنا يزيد بن ابراهيم سمعت عمرو بن دينار كان ابن الزبير اذا صلى يرسل يديه ثنا ابن علية عن ابن عون عن ابن سيرين انه سئل عن الرجل يمسك يمينه بشماله قال انما فعل ذلك من اجل الدم. ثنا عمر بن هرون عن عبد الله بن يزيد قال ما رايت ابن المسيب قابضا يمينه في الصلوٰة كان يرسلها ثنا يحيى بن سعيد عن عبد الله بن العزار قال كنت اطوف مع سعيد بن جبير فراى رجلا واضعا احدى

(باب) ان لوگوں کا بیان جو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز میں ہشیم یونس سے وہ حسن سے اور مغیرہ سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دونو نماز میں ہاتھوں کو کھول دیتے تھے عفان یزید بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ سنا میں نے عمرو بن دینار کو کہ ابن الزبیر جب نماز پڑھتے تو اپنے دونو ہاتھ کھول دیا کرتے۔ ابن علیہ ابن عون سے ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ اُنسے سوال کیا گیا اس بارہ میں کہ داہنا ہاتھ پکڑیں بائیں ہاتھ سے تو کہا یہ نہیں کیا تھا مگر بسبب خون کے عمر بن ہرون عبد اللہ بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ کبھی بیٹے ابن المسیب کو داہنا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ دیکھا نماز میں وہ دونو ہاتھ پھیلا دیتے تھے یحیی ابن سعید عبد اللہ بن عزار سے روایت ہے کہ ایکدفعہ

بیدیہ علی الاخرے
ھذہ علی ھذہ
او ھذہ علی ھذہ
فذھب ففرق بینھما
ثم جاء ۱۲ ۱۲

سعید بن جبیر کیساتھ طواف کر رہا تھا ایک آدمی کو انہوں نے دیکھا کہ یہ ہاتھ اسپر رکھے ہیں (داہنا بائیں پر) یا یہ اس ہاتھ پر (بایاں داہنے پر) تو وہ گئے۔ اور دونو ہاتھوں کو اسکے جدا کیا پھر واپس آئے

ان احادیث میں ایک حدیث عبداللہ بن زبیر کی ہے جو خود صحابی ہیں اور حضرت زبیر صحابی کے فرزند اور حضرت عائشہ کے بھانجے حضرت اسما کے فرزند جو سب صحابی ہیں حضرت ابوبکر کے نواسہ جو خود مکہ معظمہ میں مدتوں خلیفہ اہلسنت رہے اور اہلسنت اُن کو نہایت عابد و زاہد مانتے ہیں۔ اُن کا فعل اس روایت سے معلوم ہُوا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے۔

انکی وفات ۷۲ھ میں ہوئی کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے پھانسی دی اور مقبرہ یہود[۱] میں خاص مکہ میں مدفون ہوئے جس سے معلوم ہُوا کہ اس زمانہ تک ہاتھ کھولنے کا رواج تھا۔ کیونکہ اہلسنت یہ کہہ نہیں سکتے انکا یہ فعل خود رائی سے تھا کہ اپنے دل سے جس طرح چاہتے نماز پڑھتے۔ بلکہ لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ کو اور خلفائے ثلثہ اور اپنی خالہ جان و اناجان کو یونہی نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ اس لئے اسی طرح پڑھا کرتے۔

محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ سعید بن جبیر المتوفی ۹۵ھ حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ سب کے سب نماز ہاتھ کھولکر پڑھا کرتے تھے جس سے معلوم ہُوا کہ عام طور سے صحابہ و تابعین کا یہی معمول تھا کہ وہ نماز ہاتھ کھولکر پڑھتے انکی نسبت کون شخص اہلسنت سے یہ گمان کرسکتا ہے کہ یہ فعل انکا اپنی

[۱] اسماء الرجال مشکوٰۃ عبدالحق دہلوی میں ہے وقف ابن عمر علیہ فقال السلام علیك یا ابا خبیب السلام علیك یا ابا خبیب اما واللہ لقد کنت انھاك عن ھذا قالھا ثلاثا اما واللہ لقد کنت الذی علمت صواما قواما وصولا للرحم فبلغ الحجاج موقف عبداللہ فارسل الیہ وانزلہ عن جذعہ فالقی فی قبور الیہود صفحہ ۱۱ قلمی

طبیعت اور رائے سے تھا۔ بغیر اسکے کہ سنت رسول یہی تھی۔ اور حضرت اسیطرح نماز پڑھا کرتے۔ اسلئے یہ لوگ بھی اسی طرح پڑھتے۔ کیونکہ یہ لوگ معمولی اشخاص نہیں ہیں۔ ان کے اقوال و احادیث پر بنائے مذہب اہلسنت ہے۔ ابن سیرین جنکا نام محمد ہے ان کے نسبت شیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب اسماء الرجال میں لکھتے ہیں

محمد بن سیرین ابو بکر البصری احد الاعلام کان فقیہا عالماً فاضلاً زاهداً ورعا محدثا من مشاهیر التابعین واجلتهم ثقۃ حجۃ حافظ متقن یعبر الرویا کثیر العلم والورع کثیر الصمت له سبعة اوراد باللیل لقی صدرا کثیرا من الصحابة قال هشام ادرك من اصحاب النبی ثلثین نفساً واشتهر یفنون علم الشریعۃ وكان من اورع اهل البصرة وسمع ابن عمر وانس۔ وعمران بن حصین وابی هریرة وزید بن ثابت ومن سواهم۔ مات سنۃ عشرة وماتہ بعد الحسن بمائۃ لیلة وهو ابن سبع وسبعین سنۃ ص ۱۳۶ نسخہ قلمی

اور سعید بن جبیر کی نسبت رقمطراز ہیں:۔

سعید بن جبیر بضم الجیم وفتح الموحدة وسکون التحتانیۃ بن هشام الاسدی الوالبی بالواو وکسر اللام مولی بنی والبہ بطن من اسد بن خزیمہ نسبۃ الی والبہ بن عمرو بن الحارثہ کوفی من اعلام التابعین سمع ابامسعود وابن عباس وابن عمر وابن الزبیر وانسا واکثر روایتہ من ابن عباس وقرء علیہ علم التفسیر والقراءة ومهر فی القراءة مهارة تامۃ حتی انہ یروی انہ امّ فی رمضان وقراء فی کل لیلۃ بغیر قراءة قراء بها فی الاخری وروے عنہ الاعمش وعمرو بن دینار وابوایوب وابوبشر واهم۔ قتلہ الحجاج بن یوسف فی شعبان سنۃ ۹۵ خمس و تسعین ولہ تسع واربعون ص ۹۶ قلمی

اور امام حسن بصری کے نسبت لکھتے ہیں:۔ الحسن البصری

هو الامام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن واسم ابی الحسن یسار البصری بفتح التحتانیۃ وتخفیف السین من سبی میسان بفتح المیم وسکون التحتانیۃ وبالسین المہملۃ وکان الحسن مولی زید بن ثابت وقیل مولی جمیل بن قطبہ وقیل غیر ذلک ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر بن الخطاب بالمدینۃ وقدم البصرۃ بعد مقتل عثمان ورای عثمان وسمع منہ وقیل انہ لقی علیا بالمدینۃ فاما بالبصرۃ فالہ رویۃ ایاہ لم یصح لانہ کان فی وادی القری متوجہا نحو البصرۃ حتی قدم علی بن ابیطالب ویقال لقی طلحۃ وعائشۃ ولم یصح لہ منہما سماع وروی عن غیرہما من الصحابۃ مثل ابی بکرۃ الثقفی وانس بن مالک وسمرہ بن جندب وعمران بن حصین وابی موسی وابن عباس وجندب وروی عنہ خلق کثیر من التابعین کان کبیر الشان رفیع الذکر راسا فی العلم وھو امام وقتہ فی کل فن وعلم وزھد وورع وعبادۃ ومات فی رجب سنۃ عشر ومائۃ کذا فی جامع الاصول والکاشف ص۲۸ قلمی

خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ سعید بن مسیب ایک ہیں اعلام سے۔ فقیہ عالم۔ فاضل۔ زاہد وورع۔ محدث تھے مشاہیر واجلہ تابعین سے ثقہ ہیں حجت ہیں حافظ ہیں متقن ہیں خواب کی خوب تعبیر دیتے۔ کثیر العلم تھے ورع تھے بہت سی اصحاب نبی سے انکی ملاقات ہوئی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ تیس صحابی سے انہوں نے ملاقات کی اور علوم شریعت میں بہت مشہور ہوئے۔ ابن عمر۔ انس۔ عمران بن حصین۔ ابوہریرہ زید بن ثابت وغیرہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں تو پھر کون گمان کرسکتا ہے کہ انکا ہاتھ کھولنا نماز میں اپنی خواہش نفس سے تھا۔ ہر شخص بالیقین کہیگا کہ ان صحابہ کو انہوں نے اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا۔ لہذا خود بھی اسی طرح پڑھتے سنہ ۹۴ھ وفات ہے تو اس زمانہ تک عام رواج ہاتھ کھولنے کا معلوم ہُوا۔

سعید بن جبیر بھی اعلام تابعین سے ہیں۔ ابی مسعود۔ ابن عباس۔ ابن عمر

ابن الزبیر۔ انس سے روایت کرتے ہیں اور اکثر علوم انکا حضرت ابن عباس سی ماخوذ ہے ماہ رمضان میں ایکدفعہ امام مقرر ہوئے تو ہر رات قرآن کو نماز میں نئی قراءت سے پڑہتے تھے اُنسے اعمش۔ عمر بن دینار۔ ابوایوب۔ ابوبشر وغیرہ روایت کرتے ہیں حجاج نے ۹۵ھ میں قتل کیا۔ ان کو اسدرجہ مبالغہ تھا کہ اگر کسی کو ہاتھ باندھتے دیکھتے تو جاکر اس کا ہاتھ کھول دیتے۔

حسن بصری کے اوصاف کیضرورت نہیں خلافت خلیفہ دوم میں پیدا ہوئے عثمان کیخدمت میں پہونچے اور حدیث بھی اُن سے لی اور بہت سے صحابہ سی ملاقات کی اور علم صائب کو اُن سے حاصل کیا۔ اپنے وقت کے ہر فن میں امام تھے۔ علم زہد عبادت تقوےٰ ۱۱۰ھ وفات ہے۔

تو اب کون شخص اہلسنت سے کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز ہاتھ کھولکر پڑہتے تو بدعت کرتے یا خلاف سنت۔ جس سے خواہ نخواہ ہی ماننا پڑیگا کہ ہاتھ باندھکر نماز پڑہنا بدعت ہے کہ سعید بن جبیر اگر کسی کو ہاتھ باندھکر نماز پڑہتے دیکھتے تو دوڑ کر اُسکا ہاتھ کھولدیتے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال اجماع یہ تیسری دلیل ہے اہلسنت کی جس سی کسی مسئلہ شرعی کی صحت ثابت کیجاتی ہے اسی اجماع میں عمل اہل مدینہ بھی داخل ہے جس سے امام مالک نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑہنا چاہیئے۔

چنانچہ علامہ محمد معین لاہوری جو تلامذہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہیں۔ اور علمائے اہلحدیث کے مشہور افراد سے ہیں اپنی کتاب دراسات اللبیب میں لکھتے ہیں۔ مطبوعہ لاہور ۱۲۸۴ھ صفحہ ۲۴۴

وثانیہما ان عمل اهل المدینۃ المقدسۃ علی ساکنہا افضل الصلوۃ والتسلیم من اقوی حجج الدین عندنا ونرے الامر فیما طریقہ النقل من ذلک علی ما یرے	دوسرے یہ کہ عمل اہل مدینہ میرے نزدیک قوی ترین حجتوں سے دین کے ہے اور اس مسئلہ میں میری رائے مطابق ہے امام اکبر عالم مدینہ مالک بن انس اصبحی کے کہ وہ قائل تھے اس بات کے کہ

الامام الاكبر عالم المدينة
مالك بن انس الاصبحي من
ان اجتماع اهل المدينة
المطهرة حجة حتى انه عولت
علماء مذهبه في ارسال اليدين
حالة القيام في الصلوة على
عمل اهلها مع وجود المرفوع
الصحيح في قبض اليمنى على
اليسرى وحملوه على الحاجة
عند طول القيام وحضوره
بها بدليل عمل اهلها كما يخص
الحديث الصحيح بحديث اخر
مثله ولا يجوز ذلك التخصيص
وارتكاب خلاف الظاهر
يرى احد من علماء
والقبض وان روى مطرف
ابن الماجشون عن مالك
انه استحسنه لكن روى
ابن القاسم عن مالك
الارسال وصار اليه اكثر
اصحابه وروى عنه
اباحة القبض في النافلة بطول
القيام وكره في الفريضة

اجماع اہل مدینہ مطہرہ حجت ہے یہانتک
کہ علمائے مالکی نے اسی دلیل پر اعتماد کیا
ہے دربارہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنے کے
کہ چونکہ اہل مدینہ کا یہی عمل تھا لہذا انہوں
نے اسی کو اپنا مذہب بنایا حالانکہ حدیث
صحیح مرفوع اس مادہ میں موجود ہے کہ
داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا چاہیئے (اس
حدیث کا حال دوسری جگہ میں ملاحظہ فرمائیگا)
اور انہوں نے یعنی مالکیوں نے اس حدیث کو محمول
کیا ہے ضرورت اور حاجت پر کہ اگر بوجہ طول
قیام ہاتھ بھر جائے تو ہاتھ باندھ لے اور اس
تخصیص کی دلیل انکے پاس یہی عمل اہل مدینہ ہے
جسطرح ایک حدیث دوسری حدیث سے خاص کر
دیجاتی ہے اور نہیں جائز ہے یہ تخصیص اور ارتکاب
خلاف ظاہر کسی کے نزدیک علماء سے اپنی رائے سے
(لہذا معلوم ہوا کہ یہ تاویل مالک برائے نہیں ہے) ہاں مطرف
اور ابن ماجشون نے امام مالک سے اسکی روایت بھی کی
ہے کہ وہ ہاتھ باندھنے کو مستحسن سمجھتے تھے مگر ابن
قاسم نے امام مالک سے ارسال ہی کی روایت کی ہے
(کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے) اور یہی مذہب ہے
انکے اکثر اصحاب کا اور ہاتھ باندھنے کے بارے میں صرف
اسقدر منقول ہے کہ امام مالک اسکو جائز جانتے تھے
نماز نافلہ میں بسبب طول قیام کے اور فرض نماز میں مکروہ
جانتے تھے

قال ابن الحاجب ان ذلك
حيث يمسك معتمد القصد
الراحة نقله الزرقانی فی
شرح الموطا قال ابن عبد البر
ان القبض لم یات عن النبی
صلی الله تعالی علیه وسلم
فیه خلاف وهو الذی
ذکره مالك فی الموطا ولم
یحك ابن المنذر وغیره انتهی
وانت قد علمت ما ذکره
غیر ابن المنذر عنه وقوله
وهو الذی ذکره مالك
فی المؤطا ان اراد منه
ان ذکره فی الموطاء
یدل علی کونه مذهبا له
فهو استدلال ضعیف فان
العلم محیط بصنیعه فی
المؤطا من انه ربما یروی
فیه ما یخالف مذهبه
کما فعل فی قنوت الصبح
حیث اقتصر فیه علی اثر
ابن عمر فی عدم جوازه مع ان القنوت
فی الصبح مذهبه الثابت عنه

کہا ابن حاجب نے کہ یہ ہاتھ باندھنا اُس وقت
نوافل میں جائز ہوگا کہ جب بغرض راحت
ہو یعنی وہ بھی بلا ضرورت نہیں جائز ہے)
جیسا کہ نقل کیا ہے زرقانی نے شرح مؤطا میں
کہا ابن عبد البر نے کہ ہاتھ باندھنے کے
بارے میں کوئی حدیث خلاف اسکے حضرت سے
نہیں منقول ہے اور اسی کو ذکر کیا ہے مالک
نے مؤطا میں اور ابن منذر وغیرہ نے
اس کے خلاف نہیں نقل کیا ہے مالک سے
مصنف کہتے ہیں مگر تو جانتا ہے کہ غیر
ابن المنذر نے کیا روایت کی ہے۔
(ارسال) اور یہ جو لکھا کہ مالک نے
اس کو ذکر کیا ہے موطا میں اگر اس
سے یہ مراد ہے کہ یہی انکا مذہب ہے تو یہ
استدلال ضعیف ہے کیونکہ اہل علم جانتے
ہیں کہ امام مالک مؤطا میں ایسی روایتیں
بھی لاتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف
ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قنوت صبح میں
انہوں نے ابن عمر کی روایت
لکھی کہ نہیں جائز ہے۔ حالانکہ
سب کو معلوم ہے کہ مالک کا مذہب
قنوت ہے۔ نماز صبح میں جو
ثابت ہے اُن سے۔

وان اراد ان ما ذكره من اثر
ابن عمر حجة عليه فجوابه
ان اثر ابن عمر لا يعارض
عمل اهل المدينة بل قد
اشرنا ان حديث سهيل
فی رفع القبض المروی فی
صحیح البخاری لا یرد حجة
علیه لعمومه وعلی اصحابه
حیث مشکوا بعمل اهل المدینة
والارسال هذا لم ینفرد
مالك فقد جاء فیه الآثار
عن سلفنا بعاین روی
جملة من ذلك الامام ابوبکر
بن ابی شیبه فی مصنفه و
فیه اثر عن عبد الله بن
زبیر رواه فی المصنف بسنده
فقال حدثنا عفان قال
حدثنا یزید بن ابراهیم
قال سمعت عمرو بن دینار
قال کان ابن الزبیر اذا
صلی یرسل یدیه

اور اگر ابن عبد البر کا یہ مقصود ہے کہ اثر ابن
عمر حجت ہے مالک پر تو اس کا جواب
یہ ہے کہ روایت ابن عمر معارض عمل
اہل مدینہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ پہلے
تو اس کی طرف بھی اشارہ کیا کہ حدیث
سہیل جو صحیح بخاری میں مروی ہے
دوبارہ ہاتھ باندھنے کے وہ بھی ان
پر حجت نہیں ہے۔ بوجہ عموم اپنے
اور نہ ان کے اصحاب پر حجت ہے
کیونکہ تمسک ان کا بعمل اہل مدینہ ہے
(جو درایت ہے۔ اور یہ روایت)
اور یہ مذہب ارسال یدین ایسا مذہب
ہے کہ صرف مالک ہی اسکے ساتھ نہیں منفرد
ہوئے ہیں بلکہ بہت سی روایتیں اس میں
سلف صحابہ و تابعین سے آئی ہیں جنہیں امام
ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ذکر
کیا ہے (میں ان سکو پہلے لکھ چکا ہوں) اس
میں عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے جسے
مصنف نے اپنی سند سے روایت کیا ہے
عفان سے کہ کہا حدیث کی مجھ سے یزید بن
ابراہیم نے کہ کہا سنا میں نے عمرو بن دینار کو
کہتے جب ابن الزبیر نماز پڑھتے تو ہاتھوں کو کھول دیتے۔ تمام ہوا ترجمہ ۱۲
اس عبارت سے بدیہی طور پر ظاہر ہوا کہ امام مالک کا یہی مذہب تھا

کہ وہ نماز میں ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عمل اہل مدینہ یونہی تھا کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حدیث مرفوع اسکے خلاف موجود ہے جسمیں اسکا حکم ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا چاہیئے۔ مگر اسپر بھی امام مالک کا مذہب یہی تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ کہتے تھے اس حدیث کے یہ مطلب ہیں کہ بوقت ضرورت ہاتھ باندھنا چاہیئے اس لئے کہ عمل اہل مدینہ یہی ہے کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے۔ تو اب یہ حدیث خاص ہوئی بوقت ضرورت۔

علمائے اہلسنّت نے اگرچہ اسمیں اختلاف کیا ہے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے یا نہیں مگر اس سے کسی کو انکار نہیں کہ اہل مدینہ کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ عمل ان کا مطابق عمل رسول اللہ تھا۔ کہ حضرت کو بھی یونہی نماز پڑھتے دیکھا تھا لہذا وہ بھی اسیطرح پڑھا کرتے۔

تو اب اسکے خلاف عمل کرنا دیدہ و دانستہ اپنی نماز کو مخالف عمل رسول اللہ بنانا ہے کیونکہ اسکو تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اہل مدینہ کا عمل خلاف عمل رسول تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تمامی صحابہ و تابعین کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے کیونکہ امام مالک اسکو عمل اہل مدینہ کہتے ہیں اور عمل اسی وقت کہا جاسکتا ہے کہ سب کا یہی عمل ہو۔ بلا اختلاف۔ کیونکہ درصورت اختلاف عمل اہل مدینہ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ عمل بعض اہل مدینہ۔

تو اب بدیہی طور سے معلوم ہوا کہ عمل اہل مدینہ زمانہ امام مالک تک بلا اختلاف یہی تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے۔

اسی استدلال امام مالک سے اس حدیث کی بھی حالت ظاہر ہوئی جو ہاتھ باندھنے کے بارے میں روایت کیجاتی ہے کہ وہ کیسی روایت ہوگی۔ کیونکہ اس روایت کی موجودگی پر بھی صحابہ اور سائر اہل مدینہ کا یہی عمل تھا۔ کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے۔ تو اب دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ معاذ اللہ تمامی صحابہ

اور اہل مدینہ عمل رسول کے خلاف کرتے تھے کہ حضرت ہاتھ باندھکر نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور یہ اسکے خلاف عمل کرتے یہ احتمال ایسا بعید ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کوئی سُنی اسکا دعویٰ کر سکے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ روایت قبض یدین یعنی ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ آیندہ مذکور ہوگا انشاء اللہ کیونکہ یہ عمل احکام نماز سے ہے نہ امور دنیوی سے جو یہ کہا جائے کہ اس میں متابعت حکم رسول ضروری نہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ عمداً دیدہ و دانستہ خود غرضی سے حکم رسول کی مخالفت کی گئی۔ بلکہ یہ تو احکام ہیئت صلوٰۃ سے ہے جس میں ہر شخص محکوم ہے کہ حضرت کا اتباع کرے اور کوئی اسکا مجاز نہیں کہ حضرت کی مخالفت کرے۔

اگرچہ بعد اس دلیل کے کہ عمل اہل مدینہ ثابت ہُوا یہی تھا کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ اہل مدینہ میں سب داخل ہیں خواہ صحابی ہوں یا تابعی۔ مگر مصنف نے خاص ابن الزبیر کا طرز عمل بھی دکھلایا کہ ان کا بھی یہی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ اور تابعین کا کیا ذکر کہ وہ سب تو تابع صحابہ ہیں۔

میرے خیال ناقص میں عبد اللہ بن زبیر کے ذکر کی ضرورت بالتخصیص یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ چونکہ یہ مسئلہ کبھی معرض اختلاف میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ سب کا یہی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ لہذا کسی کو اسطرف کبھی التفات بھی نہ ہُوا کہ نماز کھولکر پڑھی جاتی ہے کیونکہ یہ تو ایک معمولی بات تھی۔ جب اس اختلاف کی بنیاد پڑی تو عمرو بن دینار نے اپنی اس تازہ یاد کو بیان کیا۔ کہ ابن الزبیر ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے۔ ورنہ سارے اہل مدینہ کا یہی قاعدہ تھا کہ وہ اسیطرح نماز پڑھا کرتے

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ ابن الزبیر خلیفہ بھی تھے۔ اور خاص مکہ میں ان کی خلافت ہوئی تھی۔ اور حضرت ابوبکر کے نواسہ تھے اور حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ۔ اسلئے ان کا عمل زیادہ قابل وثوق اور اعتماد تھا۔ اور پھر وہ نہایت عابد بھی مشہور تھے۔ لہذا عمرو بن دینار نے ان کے فعل سے استناد کیا کہ انکا

عمل اس مورد میں کسی طرح قابل شک یا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ پس انکے اس طرز عمل نے بتا دیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا نہ صرف ان کے علم کے مطابق تھا بلکہ یہی عمل وہ اپنے آبا و اجداد و امہات کا دیکھ چکے تھے جس سے پھر کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ انکی نماز اس طریقہ کیخلاف ہو گی۔ جو حضرت ابو بکر و حضرت عائشہ و اسماء و زبیر کیخلاف ہو اور چونکہ ہم نے اسکے قبل وہ روایتیں بھی لکھدی ہیں جو حسن بصری اور سعید بن المسیب۔ سعید بن جبیر وغیرہ تابعین سے مروی ہیں۔ لہذا بخوبی ظاہر ہوا کہ عمل اہل مدینہ وغیرہ یہی تھا۔

علامہ محمد معین مصنف دراسات اللبیب میں اسکے بعد لکھتے ہیں :-

والعجب کل العجب من مثل شیخ الدهلوی حیث ینفی فی شرح السفر الدلیل للارسال مطلقا رفعا و اثرا و یقول سألت فی الحجاز عن ذلك بعض علماء المالکیۃ فلم یاتوا بشیٔ سوی امر خطابی ذکرہ مما لا یلتفت الیہ اهل العلم اصلاً و عمل اهل المدینۃ المعظمۃ فی ذلك عند علماء مذهبہ اقوی من آثار التابعین والصحابۃ فیہ ص۳۱

یعنی پورا تعجب ہے شیخ عبد الحق دہلوی سے جو شرح سفر السعادۃ میں لکھتے ہیں کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ مطلقاً۔ نہ حدیث مرفوع سے نہ اثر صحابہ سے اور کہتے ہیں کہ میں نے حجاز میں بعض علماء مالکیہ سے سوال بھی کیا۔ تو کوئی دلیل ایسی نہ لائے جو قابل التفات اہل علم ہو سوائے امر خطابی کے حالانکہ عمل اہل مدینہ معظمہ اس بارے میں مالکیوں کے نزدیک قوی تر ہے آثار تابعین و صحابہ سے

ہمارا مطلب اس عبارت سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کیونکہ اگرچہ بقول شیخ عبد الحق دہلوی کوئی دلیل قوی علمائے مالکی نہ لا سکے مگر یہ تو معلوم ہوا کہ مذہب ان کا یہی تھا۔ کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے جس سے کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ اسپر دلیل لائے جو شیخ عبد الحق کے نزدیک قابل اعتماد نہو۔

یعنی مقصود ہمارا بخوبی ثابت ہُوا کہ امام مالک کا یہی مذہب تھا اور اسکی دلیل ان کے نزدیک یہی عمل اہل مدینہ ہے جو آثار صحابہ و تابعین سے بھی زیادہ قوی ہے

نفی احادیث صحیحہ بوجہ عمل اہل مدینہ

عمل اہل مدینہ ایسی قوی دلیل ہے کہ ملا معین لکھتے ہیں وظهر من هذا ان المالكية واصحابه يولون الاحاديث الصحيحة عن ظواهرها ويتركون به آثار الصحابة كما يتركون بالمرفوع واما ترك الحديث الصحيح بعملهم فيدل عليه مذهب مالك في عدم اجزاء صوم الولى من الميت مع ورود الحديث الصحيح قال القسطلاني في شرح البخاري واجاب المالكية عن احاديث الباب بدعوى عمل اهل المدينة انتهى يعنى عملهم بعدم الاجزاء ص۲۲۳

یعنی جو حکایت ابن مسعود کی بیان کی ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہادسی ایک فتوی دیا تھا جب مدینہ آئے اور وہاں لوگوں سے دریافت کیا تو اپنی رائے سابق سے عدول کیا۔ اس سے ظاہر ہُوا کہ امام مالک اور اُن کے اصحاب تاویل کرتے ہیں۔ احادیث صحیحہ میں جو خلاف عمل اہل مدینہ ہو اور اس عمل اہل مدینہ کی بدولت وہ ترک کرتے ہیں اقوال صحابہ کو جیسا کہ ترک کرتے ہیں حدیث مرفوع سے۔

رہا یہ امر کہ وہ ترک کرتے ہیں حدیث صحیح کو عمل صحابہ سے۔ پس اسکی دلیل یہ ہے کہ مذہب مالکؒ ہے کہ ولی کا صوم منجانب میت مجزی نہیں ہے حالانکہ حدیث صحیح اس بارے میں وارد ہے۔ کہا قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں کہ مالکیوں نے اسحدیث کا یہ جواب دیا ہی کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے یعنی وہ اسکو مجزی نہیں مانتے۔

پس بالفرض اگر کوئی حدیث صحیح بھی ہاتھ باندھنے میں ہو۔ تو وہ حدیث اس وجہ سے مردود ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے حالانکہ ہم آیندہ چلکر بتائیں گے انشاءاللہ کہ حدیث صحیح اس بارے میں کوئی نہیں۔

مذہب شافعی بھی یہی ہی

علامہ مذکور لکھتے ہیں وامام المطلبی

الشافعی الدرۃ الفرید من بحر شرف ھاشم برد اللہ سبحانہ بہ صدر المحبین بثلج العلوم من اھل ھذا البیت المقدس فقد روی الشعرانی فی کتابہ تلخیص السنن للبیہقی المسمی بالمنہج المبین فی جمع ادلہ المجتہدین عنہ بسندہ عن الھروی عن یونس بن عبدالاعلی قال سمعت الشافعی یقول کل حدیث جاء من اھل العراق ولیس لہ اصل فی الحجاز فلا نقبلہ (لعدم صحتہ عندنا) وان کان صحیحا انتہی (فی نفس الامر لان الحجۃ بعد الثبوت) ومنہ یخرج ان عمل اھل المدینۃ المقدسۃ یترک بہ الحدیث الصحیح عند غیرھم مطلقا او عند اھل الکوفۃ بخصوصہم فان عملہم علی شئ ورد بخلاف الحدیث عند غیرھم لا یتصور الا بانتفاء اصل ذلک عندھم والا لما وسعہم الخلاف ومن لم یقبل ھذا الحدیث المعارض لعملہم وجب علیہ التمسک بہ وترک ما خالفہ ووجہ ذلک ان عملہم دلیل قوی علی وجود الحدیث الصحیح فی ذلک عندھم وحدیثہم یترجح علی حدیث غیرھم عند ھذین الامامین (مالک والشافعی) وفی ھذا جواز الاعتماد علی العلم الاجمالی بوجود الدلیل الراجح مع وجدان الدلیل المعارض بہ بعینہ وذلک مخصوص فی عمل اھل المدینۃ المشرفۃ عندھما ص ۳۲

یعنی امام شافعی کا عمل اس قاعدہ پر اس سے ظاہر ہے کہ شعرانی نے تلخیص سنن بیہقی میں روایت کیا ہے شافعی سے کہ وہ کہتے تھے جو حدیث اہل کوفہ کے ذریعہ سے وارد ہو۔ اور اسکی کوئی اصل اہل حجاز میں نہ ہو تو ہم اس حدیث کو نہیں قبول کرتے (کیونکہ وہ صحیح نہیں) اگرچہ فی نفس الامر صحیح ہو (کیونکہ حجت بعد ثبوت ہے)

پس اس قول شافعی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی حدیث صحیح ہو غیر اہل مدینہ کے نزدیک مطلقاً یا اہل کوفہ کے نزدیک خصوصاً۔ تو وہ حدیث بوجہ مخالفت اہل مدینہ رد کردی جائیگی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا عمل اہل مدینہ مخالف ہو کسی صحیح

حدیث کے۔ پس معلوم ہُوا کہ وہ حدیث ہی صحیح نہیں ورنہ وہ اُسکی مخالفت کیونکر کرتے۔

اور جب یہ حدیث جو معارض عمل اہل مدینہ ہے قابل قبول نہیں۔ تو عمل اہل مدینہ کیساتھ ترک ضروری ہُوا۔ اور اسکے خلاف کا ترک کرنا کیونکہ اُن کا عمل اس بارے میں دلیل قوی ہے اسپر کہ کوئی حدیث صحیح انکے نزدیک ہے اور اہل مدینہ کی حدیثیں قابل ترجیح ہیں۔ مالک و شافعی کے نزدیک دوسروں کی حدیث پر۔

پس اس سے بھی معلوم ہُوا کہ علم اجمالی بوجود دلیل راجح کافی ہے۔ اگرچہ خلاف اُسکے دلیل پائی بھی جائے۔ اور یہ مخصوص ہے۔ **عمل اہل مدینہ** کے ساتھ مالک و شافعی کے نزدیک"

اس عبارت نے بتا دیا کہ عمل اہل مدینہ بجائے خود ایسی قوی اور مستحکم دلیل ہے کہ اس کے مقابلہ میں نہ حدیث صحیح کا اعتبار رہتا ہے۔ نہ آثار صحابہ و تابعین کا۔ امام مالک اور شافعی کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ اس کی بھی تصریح کردی کہ اگرچہ اہل مدینہ کے پاس کوئی حدیث ظاہری نہ بھی ہو تو ان کا عمل کافی ہے ردّ احادیث صحیحہ کے لئے کیونکہ اگر ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو اس طرح عمل نہ کرتے۔ لہذا معلوم ہُوا کہ جس حدیث پر اہل مدینہ کا عمل نہیں ہے وہ حدیث ہی صحیح نہیں۔ اگرچہ فی نفس الامر صحیح بھی کیوں نہ ہو۔

تو اب ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا ایک ایسی قوی دلیل سے ثابت ہُوا کہ اگر اسکے مقابلہ میں کوئی حدیث صحیح صریح بھی ہوتی تو وہ قابل قبول نہ تھی۔ چہ جائیکہ فی الواقع کوئی حدیث صحیح بھی نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آخر امام شافعی بھی جواز ارسال ید کے قائل ہوئے کیونکہ سابقاً ہم لکھ چکے ہیں کہ شافعی بھی ہاتھ کھولنے کو جائز بتلاتے ہیں۔

رائے ملا معین

ملا معین مصنف دراسات اللبیب چونکہ فرقہ اہلحدیث ہیں لہذا وہ اپنی رائے یوں ظاہر کرتے ہیں۔ وعندی

هذا الحكم بتقديم عمل اهل المدينة المعظمة على الحديث الصحيح في حديث غير الصحيحين بعد تدوينهما فان ما اخرجه الشيخان قد تلقتهما

الامۃ بالقبول ومن جملتہا بل ساداتہا علماء المدینۃ الطیبۃ ص۳۳۳

یعنی میری رائے میں یہ حکم تقدیم عمل اہل مدینہ معظمہ حدیث صحیح پر۔ اس حدیث کے متعلق ہے جو بعد تصنیف صحیحین خارج از صحیحین ہے کیونکہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمیں علماء مدینہ بھی داخل ہیں۔

جس کے مطلب یہ ہوئے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابلہ میں حدیث صحیح بھی قابل قبول نہیں مگر اس حکم سے صحیحین مستثنےٰ ہیں کہ انکی حدیثیں نہیں مردود ہونگی بلکہ غیر صحیحین ہی کیلئے اسوجہ سے نہیں ہے کہ حدیثیں اسکی صحیح نہیں بلکہ اسوجہ سے کہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمیں علمائے مدینہ بھی داخل ہیں تو اسوجہ سے صحیحین کی حدیثیں عمل اہل مدینہ سے نہ مردود ہونگی اور باقی صحیح حدیثیں سب مردود ہیں

ہم کو اس رائے کی مخالفت یا موافقت سے چنداں بحث نہیں کیونکہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے جو بمقابل مذہب امام مالک و امام شافعی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور نہ یہی ثابت ہے کہ علمائے امت نے صحیحین کو قبول کرلیا کیونکہ جمہور علمائے امت اس کے مخالف رہے ہیں آئمہ اربعہ کے مقلدین نے بہت سی حدیثوں کو نہیں مانا اور بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب لکھنوی اپنے علماء سے ناقل ہیں کہ درمیان صحیحین اور غیر صحیحین کے کوئی فرق نہیں جیسا کہ تنقید بخاری وغیرہ میں بتصریح لکھ چکا ہوں۔

اور چونکہ صحیح بخاری کی تدوین ۲۵۲ھ میں ہوئی اور صحیح مسلم کی اسکے بھی بعد لہذا اس سنہ تک بلکہ بعد بھی اس زمانہ تک کہ اتفاق امت کے لئے درکار ہے عمل اہل مدینہ کی یہ وقعت تھی کہ حدیث صحیح بھی اس کے سامنے کوئی چیز نہ تھی۔ اور اس کے بعد بھی جو کچھ اسکی عظمت ظاہر ہوئی تو اسوجہ سے کہ اہل مدینہ نے صحیحین کو قبول کرلیا تھا۔ ورنہ اگر وہ نہ قبول کرتے تو پھر بھی حدیث صحیح کا اس کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ آجتک مذہب مالکی یہی ہے کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہیں

اصل اجماع

ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا باجماع اہل مدینہ ثابت ہے جس میں تمامی صحابہ و تابعین و تبع تابعین

داخل ہیں تو اب ہاتھ باندھکر نماز پڑھنا مخالف اجماع ٹھہرا جو یقیناً باطل ہے مطابق قواعد اہلسنت

عظمت اجماع

کیونکہ اجماع ایک ایسی حجت شرعی ہے کہ اسکے مقابلہ میں کوئی حجت حجت نہیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ خود کتاب اللہ جس سے بڑھ کر کوئی حجت نہیں ہو سکتی محتاج اجماع ہے۔ کہ جن آیات اور سورتوں پر اجماع ہوا وہ تو داخل قرآن کیا گیا۔ اور جسپر اجماع نہ ہُوا وہ نہ داخل قرآن ہوا نہ قرآن مانا گیا۔ تو اب دوسری کونسی حجت شرعی ایسی ہو سکتی ہے جو اجماع کے ہمسر ہو سکے۔ کیونکہ شرح مسلم الثبوت میں ہے الاجماع حجۃ قطعا ویفید العلم الجازم عند الجمیع من اھل القبلۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ مطبوعہ مصر جس سے معلوم ہُوا اجماع حجت قطعی ہے کہ مفید علم یقین ہے تمامی اہل قبلہ کے نزدیک بہ استثناء خوارج و شیعہ یہانتک کہ اجماع سے احکام قرآن اور حدیث دونو باطل کر دیئے جاتے ہیں۔

حجیت اجماع اہل البیت علیہ السلام

ملا محمد معین نے ایک خاص تقریر اس بارہ میں بھی کی ہے جس سے اجماع اہلبیت اطہار کی عظمت ثابت ہوتی ہے لہذا اسکا ذکر بھی ضروری ہے۔ لکھتے ہیں۔

وما اعتقدہ حجیۃ اجتماع اھل بیت النبوۃ رضی اللہ تعالی عنہم وعملہم وھو عندی وعند کل منصف اقوی من عمل اھل المدینۃ وذلک لان حجیتہ لیس الا من حیث ان ما تواترہ اھل بلد صاغرا عن کابر امستمرا من غیر طریان تغیر علیہ یستند عادۃ الی رئیس ذلک البلد اذا کان معلوما باھتمام مراسم

میں اسکا بھی معتقد ہوں کہ اجماع اہلبیت علیہم السلام اور اُنکا عمل حجت ہے اور وہ میرے نزدیک بلکہ ہر صاحب انصاف کے نزدیک قوی تر ہے عمل اہل مدینہ سے کیونکہ عمل اہلمدینہ اسیوجہ سے حجت ہے کہ جو فعل اُنمیں بحیثیت توارث جاری ہے کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے اسکو سیکھتا چلا آیا اور بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے اُسپر عملکرتا آیا تو یہ امور عادۃً منسوب ہونگے رئیس بلد کیطرف کہ یہ عادات و اطوار اُسی رئیس سے لئے گئے ہیں خصوصاً جب اس رئیس کے اہتمام سے بھی معلوم ہو کہ اپنے مراسم

خاصة فی ریاسته وتروجها
علی هم وسیره من اهله وذلك
فی توارثها اهلبیته كذلك و
استناده الی رئیس البیت
وصاحبهم الذی یعلوهم
ویسوسهم مع شدة اعتناءهم
بالاتیان بما یامرهم واتباعهم
فی كل ما یفعله اقوی فی العادة
واثبت فی الحفظ فانهم اضبط
الاقوام لحاله واعلم باقواله و
اعماله من لا یصل الی اهل البلد
من رئیسهم كثیر شیء من
ذلك الا صادرا من اهلبیته
لا سیما ویدخل فی اهل بیته
نساء ایضا مع الذكور من
اولاده واقربائه وخدمهم
وموالیهم فیحیطون باحوال
داخل البیت وخارجه وما
نعنی من اهل البیت النبوة فی
هذه المسئلة الا ما یشتمل
النسائ صلی الله تعالی علیه
وسلم وذكو بنی هاشم والمطلب
فاذا اجتمعوا علی شئ وتوارث

خاصکی ترویج میں اسکو کوشش ہو کہ اپنی ریاست
میں اسے جاری کرے اور رعایا سے اسکی پابندی
چاہیے تو بالیقین اُن رعایا کے افعال و اعمال سے
معلوم ہوگا کہ یہ سب اصل رئیس کی ہدایت اور تعلیم سے
ہے۔ اسی طرح اہلبیت کا توارث اور اُنکے افعال
کی نسبت رئیس خاندان کیطرف بدیہی ہے خاصکر جب
معلوم ہو کہ وہ افسر خاندان ہمہ وقت کوشش کرتا
ہے اسمیں کہ اسکے خاندان کے لوگ اُن آداب و
قواعد کو سیکھیں اور نہایت اہتمام کرتا ہو اسمیں کہ وہ
لوگ بجالائیں اسکے کل اوامر و نواہی کو اور ہر بات میں
اسکی پیروی کریں تو ایسے امور جو اس خاندان میں جاری ہوں
وہ من حیث العادۃ نہایت قوی اور محفوظ ہیں کیونکہ یہ
لوگ اپنے بزرگ خاندان کے حالات سے زیادہ واقف
اور اقوال و افعال میں زیادہ مطیع ہونگے اور انکے زیادہ
ضابط ہونگے بہ نسبت دیگر حضرات اہل شہر کے بلکہ حق
تو یہ ہے کہ اہل شہر کو بہت سے حالات اور افعال و
عادات معلوم ہی نہ ہونگی مگر اسکے خاندان کے ذریعہ سے
کیونکہ انکو دیکھکر اہل شہر سمجھینگے کہ یہ امور ہمارے رئیس
کے افعال و عادات سے ہیں۔ اور خاندان میں داخل
ہیں انکی عورتیں بھی اور ذکور انکی اولاد اقربا سے اور خدام
و موالی اُنکے کہ یہ سب محیط ہیں احوال داخلخانہ سے اور
خارج خانہ سے یہاں ہم اہلبیت نبوۃ سے معنی
عام مراد لیتے ہیں جو شامل ہو نسائے نبی کو اور ذکور

ذلك فيهم فهو عندي حجة
سمعت شانها وصفتها على
ما ذكرنا هذا بمجرد ما يعطي
وحدة البيت معه صلى الله تعم
عليه وسلم وملازمة اهله حضرته
من الاطلاع على احواله واقواله
واعماله صلى الله تعم عليه وسلم و
الزائد على ما يعطي من ذلك
وحدة البلد معه صلى الله تعالى
عليه وسلم وملازمة اهله اياه
صلى الله تعم عليه وسلم فكيف اذا
انضم الى ذلك حديث الثقلين
فيمن ورد منهم على ما مر من
بيانه مما يكاد يثبت في
كل واحد من علمائهم (اہل بیت)
العصمة فان لم يثبت فيه
ففي كلهم عند اجماعهم على امر
فان لم يثبت العصمة رأسا
فغلبة ظن الاصابة في
كل احد فان لم يثبت
فيه ففي كلهم عند اجماعهم
على ما لا يوجد ذلك في
اجماع من لم يرد فيهم نص

بنی ہاشم وعبد المطلب کو کہ جب وہ کسی امر پر اجماع کریں
اس حیثیت سے کہ وہ بحیثیت توارث اُن میں جاری
ہو تو وہ میرے نزدیک حجت ہے اور نہایت قوی حجت
جسکی صفت اور شان تو سُن چکا۔ یہ جو کچھ میں نے بیان
کیا صرف ایک گھر میں رہنے کا اثر ہے کہ صرف اہل خاندان
سے ہونے اور ہر وقت کیساتھ رہنے اور ملازمت سے
یہ ضرور ہے کہ ان کو حضرت کے اقوال و اعمال پر زیادہ اطلاع
ہو بہ نسبت اُنکے جو صرف ایک شہر میں حضرت کیساتھ ہیں اور
حضرت کے اہل و عیال و خاندان والوں سے ملتے رہتے ہیں
(کیونکہ اگرچہ وہ بھی حضرت کے حالات سے بہ نسبت دوسرے
شہر والوں کے زیادہ مطلع ہوتے ہیں مگر خاندان والوں کی اطلاع
اس سے کہیں بڑھی ہوتی) چہ جائیکہ اسکے ساتھ حدیث ثقلین
ملائی جائے جو ان حضرات اہلبیت طاہرین کے بارے میں وارد ہے
جس سے ہر واحد کی اُن علما و اہلبیت طاہرین سے عصمت
ثابت ہے اور اگر سبکی عصمت فرداً فرداً نہ بھی ثابت ہو
تو اجماع کی حالت میں تو سبکی عصمت ضرور ہی ثابت ہے
جس سے انکا اجماعی مسئلہ ضرور مسلم ہوگا۔ اور اگر ہم فرض
کر لیں کہ عصمت کسی کی ثابت ہی نہیں ہو سکتی تو یہ تو
ضرور ثابت ہوگا کہ انمیں سے ہر ایک شخص کے افعال و اعمال
میں ظن غالب اصابت ہے کہ انکے افعال و اعمال منفرداً
حق و صواب ہونگے اور اگر ہم مان لیں کہ فرداً فرداً اصابت
نہیں ثابت ہوتی تو سبکے اجماع میں تو ضرور ہی اصابت ہوگی
کہ اہلبیت کا اجماع بہ نسبت اور لوگوں کے زیادہ قوی
ہوگا۔ کیونکہ ان کے اجماع کے بارے میں شارع کا نص موجود ہے

مثله من الشارع صلى الله تعالى عليه وسلم وان لم يقر بذلك كله فلا اقل من ان تؤمن بان عملهم مما يرجح احد المتعارضين من الاحاديث على الآخر كعمل اهل المدينة المنورة وبهذا سموا مثل الحاكم ابي عبد الله و سليمان الاعمش ومحب الدين الطبري الرجال الابطال من رؤساء علماء السنة شيعة وقالوا صحيح مسلم ملان من الشيعة ولما قال مالك بحجية عمل اهل المدينة المعظمة لزمه القول بحجية عملهم لاسيما فيما اجتمع عليه الائمة اثنا عشر رضي الله تعالى عنهم لما ذكرنا والحق حق و ان لم يأخذ به احد

جس سے اسکی عصمت ثابت ہے اور اگر تم اسکا بھی اقرار نہ کروگے توکم از کم تمکو اسپر ایمان لانا پڑیگا کہ اہلبیت طاہرین کا عمل ترجیح دیگا ایک حدیث کو دو حدیث متعارض سے جسطرح کہ اہل مدینہ کا عمل ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتا ہے اور یہی (الترجیح بعلمہم) باعث ہے کہ امام حاکم ابی عبد اللہ سلیمان اعمش اور محب الدین طبری کو جو رجال الابطال اور رؤساء علمائی اہل سنیۃ سے ہیں۔ ان لوگوں نے شیعہ نام رکھا اور کہا کہ صحیح مسلم مملو ہے شیعوں سے (یعنی چونکہ حاکم و اعمش و محب الدین طبری نے عمل اہلبیت طاہرین سے استدلال کیا اسلئے وہ سب شیعہ کہدئے گئے اور یہیں سے اسکی وجہ بھی ظاہر ہوئی کہ صحیح مسلم کی کیوں اسقدر وقعت نہیں اسوجہ سے کہ اسکے راوی ایسے لوگ ہیں بخلاف صحیح بخاری کے جسکے رواۃ تمامتر خوارج ہیں) اور جب امام مالک قائل ہوسکے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے تو ضرور ہوا انکو کہ وہ قائل ہوں اسکے کہ عمل اہلبیت طاہرین بھی حجت ہے بالخصوص وہ عمل جسپر ائمہ اثنا عشر مجتمع ہوں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کیونکہ حق حق ہے اگرچہ کوئی اس کو قبول نہ کرے

اس عبارت سے جہاں حجیت اجماع اہلبیت طاہرین علیہم السلام معلوم ہوئی۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے قصدًا اقوال آئمہ علیہم السلام کو ترک کیا ہے جس پر خود ملا محمد معین دراسات اللبیب میں ان لفظوں سے فریاد کرتے ہیں

فالفجيعة كل الفجيعة على الامة ان خلت كتب المذهب الاربعة
عن مذهب اهل البيت رضی عنهم اجمعين ثم اذا وجد فيها
شئ من ذلك يعارض بمثل هذا ولقد سبقت منا رسالة مفردة
فی امهاد الموضعين لكلمنا فيها على الثانی واستوفينا الكلام
فی الجواب عن الامام الحق فلنكتف به ونتكلم على الاول فاعلم
ان آئمة الطاهرين رضی الله عنهم يحرمون الرای والقياس
وهذا لما دخل ابو حنيفة على جعفر بن محمد رض علی ماحكاه
الشعرانی فی اللواقح قال له بلغنی انك نفيس لا تقس فان اول من
قاس ابليس صـ۲۷ـ ۲۸ يعنی افسوس صد افسوس اس امت پر کہ آئمہ اربعہ کے
مذہب کی کتابیں خالی ہیں مذہب اہلبیت رضی اللہ عنہم سے ۔ پھر اگر کوئی بات اُنکے
مذہب کی پائی بھی جاتی ہے ان کتابوں میں تو ایسی باتوں سے اسکا معارضہ کیا
جاتا ہے حالانکہ میں ایک رسالہ خاص اس باب میں لکھ چکا ہوں کہ جسمیں پورا جواب دیا
ہے امام حق جناب امام حسن کیطرف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آئمہ
طاہرین علیہم السلام حرام جانتے تھے قیاس اور رائے کو یہی وجہ ہے کہ جب ابو حنیفہ
خدمت جناب امام جعفر صادق میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا میں نے سُنا
ہے تو قیاس کرتا ہے ۔ قیاس نہ کر کہ پہلا قیاس کرنیوالا شیطان ہے ۔

بہرحال ہمارا مقصود یہاں نہ قدح ابو حنیفہ ہے ۔ نہ اسکی شکایت کہ حضرات
اہلسنت نے آئمہ طاہرین کی متابعت کیوں ترک کی ۔ کیونکہ قیامت یقینی ہے
اُس روز خداوند قہار خود اُن سے سوال کریگا ۔ اور یہ جواب دیں گے ۔ ہمارا فرض
تو صرف یہ ہے کہ لکم دینکم ولی دین عمل کریں ۔

ہاں انسانی ہمدردی ۔ اسلامی اخوت مجبور کرتی ہے کہ راہ حق کو واضح کریں
اور حجت کو تمام کریں کہ دیکھو خدا نے تم کو کیا حکم دیا ہے ۔ اُس کے رسول نے
کیا بتایا ہے اس کے جانشین اور خلفاء نے کیا سکھایا ہے کہ کسطرح نماز پڑھو

ہاتھ کھول کر یا باندھکر۔ کیونکہ ابھی تم دیکھ آئے اور پڑھ آئے کہ اُن حضرات کا عام قاعدہ یہی تھا کہ نماز ہاتھ کھولکر پڑھیں۔ اور تمامی صحابہ و تابعین و تمامی اہل مدینہ کا جو ہر وقت حضرت کی خدمت میں رہتے۔ اور آپکو نماز پڑھتے دیکھتے۔ اُنکا یہی عمل تھا۔

چونکہ ملا محمد معین نے آئمہ اطہار علیہم السلام کیطرف ضمناً اسکی نسبت کی ہے کہ وہ حضرات نماز ہاتھ کھولکر پڑھا کرتے۔ اسلئے ایک حدیث فروع کافی کی بھی یہاں لکھتا ہوں جس سے معلوم ہو کہ واقعاً اُن حضرات کا یہی معمول تھا۔

فروع کافی کے باب افتتاح الصلوۃ والحد فی التکبیر والقال عند ذلک میں ہے:۔

علی بن ابراهیم عن حماد بن عیسی قال قال لی ابو عبد الله علیه السلام یوماً یا حماد تحسن ان تصلی قال فقلت یا سیدی انا احفظ کتاب حریز فی الصلوه قال لا علیك یا حماد قم فصل قال فقمت بین یدیه متوجها الی القبلة فاستحب الصلوة فرکعت وسجدت فقال یا حماد لا تحسن ان تصلی ما اقبح الرجل منکم ان یاتی علیه ستون سنة او سبعون سنة فلا یقیم صلوة واحدة بحدودها تامة قال حماد فاصابنی فی نفسی الذل فقلت جعلت	یعنی علی بن ابراہیم حماد بن عیسی سے روایت کرتے ہیں کہ ایکروز جناب امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا اے حماد کیا تو اچھا جانتا ہے کہ نماز پڑھے میں نے کہا اے سید میرے میں نے یاد کیا ہے کتاب الصلوۃ حریز کو حضرت نے فرمایا کوئی حرج نہیں تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا سامنے آپکے اور قبلہ کیطرف رُخ کرکے افتتاح صلوۃ کیا اور رکوع و سجود بجالایا حضرتؑ نے فرمایا اے حماد تو نے اچھی طرح نماز کو نہیں ادا کیا کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم لوگوں کی عمر ساٹھ ستر برس کی ہو جائے اور ایک نماز بھی درست طور سے نہ پڑھا ہو۔ اور اسکے حدود کو پورے طور سے نہ بجا لاؤ حماد کہتے ہیں اس کلمہ سے نہایت ذلت معلوم ہوئی اور میں نے عرض کیا

فداك فعلمني الصلوة فقام
ابو عبدالله عليه السلام يستقبل
القبلة منتصباً فارسل يديه
جميعاً على فخذيه قد ضم
اصابعه وقرب بين قدميه
حتى كان بينهما قدر ثلاث
اصابع متفرجات واستقبل
باصابع رجليه جميعاً القبلة
لم يحرفها عن القبلة وقال
بخشوع الله اكبر ثم قرء الحمد
بترتيل وقل هو الله احد
ثم صبر هنية بقدر ما يتنفس
وهو قائم ثم رفع يديه حيال وجهه
وقال الله اكبر وهو قائم ثم ركع و
ملأ كفيه من ركبتيه مفرجات
ورد ركبتيه الى خلفه حتى استوى
ظهره حتى لو صب عليه من ماء
او دهن لم تزل لاستواء ظهره
ومد عنقه وغمض عينيه ثم سبح
ثلاثا بترتيل فقال سبحان ربي
العظيم وبحمده ثم استوى قائما
فلما استمكن من القيام قال
سمع الله لمن حمده ثم كبر و

آپ پر فدا ہوں مجھے نماز کی تعلیم فرمائیے پس
کھڑے ہوئے امام جعفر صادقؑ اور قبلہ کیطرف
رخ کیا سیدھے ہو کر اور دونو ہاتھونکو اپنے
سیدھے لٹکا دیا اپنے زانوؤں پر اور انگلیاں اسکی
ملالیں اور نزدیک کیا اپنے دونو قدم کو
کہ انمیں تین یا چار انگل کا فاصلہ رہا اور پیر کی
انگلیونکو بھی جانب قبلہ کیا کہ کج نہ رہے
قبلہ سے پھر بخشوع کہا اللہ اکبر اور پھر سورۂ الحمد
کی تلاوت کی بہ ترتیل بعدہٗ قل ھو اللہ احد پڑھا
اور اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ سانس لے لیں
پھر دونو ہاتھونکو بلند کیا برابر چہرہ اقدس کے
اور کہا اللہ اکبرؔ ابھی تک آپ کھڑے
ہیں پھر رکوع کیا اور بھر لیا دونو ہتھیلیونکو
گھٹنوں سے کہ انگلیاں کھلی ہوئی تھیں اور
دبایا گھٹنے کو پیچھے کیطرف۔ یہاں تک کہ برابر
ہو گئی آپکی پشت کہ اگر اسپر ایک قطرہ پانی
کا ڈالا جائے یا تیل تو وہ اپنی جگہ سے
حرکت نہ کرے بوجہ اسکے کہ پشت برابر تھی اور
بڑھا دیا گردن کو اور بند کر لیا آنکھوں کو
اور تین مرتبہ بہ ترتیل کہا سبحان ربی العظیم
وبحمدہ پھر سیدھے کھڑے ہوئے جب اچھی طرح
کھڑے ہوئے تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہٗ
پھر تکبیر کہی کھڑے کھڑے اور

هو قائم ورفع يديه حيال
وجهه ثم سجد وبسط كفيه
مضمومتي الاصابع بين يدي
ركبتيه حيال وجهه فقال سبحان
ربي الاعلى وبحمده ثلاث مرات
ولم يضع شيئا من جسده على
شئ منه وسجد على ثمانية اعظم
الكفين والركبتين وانامل
ابهامي الرجلين والجبهة و
الانف وقال سبعة منها
فرض يسجد عليها وهي التي
ذكرها الله تعالى في كتابه
فقال وان المساجد لله فلا
تدعوا مع الله احدا وهي الجبهة
والكفان والركبتان والابهامان
ووضع الانف على الارض
سنة ثم رفع راسه من السجود
فلما استوى جالسا قال الله
اكبر ثم قعد على فخذه الايسر
وقد وضع ظاهر قدمه الايمن
على بطن قدمه الايسر وقال
استغفر الله ربي واتوب اليه
ثم كبر وهو جالس وسجد

دونو ہاتھوں کو چہرہ تک بلند کیا۔ پھر
سجدہ کیا اور پھیلا دیا ہتھیلیوں کو
کہ انگلیاں اسکی ملی ہوئی تھیں سامنے
دونو گھٹنوں کے مقابل چہرہ کے اور کہا
سبحان ربی الاعلی وبحمدہ تین مرتبہ اور
نہ رکھا آپنے ایک بدن کو دوسرے
بدن پر۔ اور سجدہ کیا آٹھ عضو پر
دونو ہتھیلیاں۔ دونو گھٹنے اور
دونو زانو۔ اور دونو نر انگشت
پیروں کی۔ اور پیشانی اور ناک
اور فرمایا سات عضو پر سجدہ
کرنا فرض ہے جسکا خدا نے ذکر
کیا ہے آیہ وان المساجد للہ فلا تدعوا
مع اللہ احدا میں کہ وہ پیشانی
دونو کف دست دونو گھٹنے
دونو نر انگشت ہیں پیروں
کے اور ناک کا رکھنا خاک پر سنت
ہے پھر بلند کیا سر اپنا سجدہ سے جب
سیدھے بیٹھے تو کہا اللہ اکبر۔ پھر بیٹھے
بائیں زانو پر کہ ظاہر قدم ایمن
رکھا بطن قدم ایسر پر اور کہا استغفر
اللہ ربی واتوب الیہ پھر
تکبیر کہی بیٹھکر اور سجدہ کیا

السجدة الثانية وقال كما قال في الاولى ولم يضع شيئاً من يديه على شئ منه في ركوع ولا سجود وكان مجنحا ولم يضع ذراعيه على الارض فصلے رکعتین علی هذا ویداه مضمومتا الاصابع وهو جالس في التشهد فلما فرغ من التشهد سلّم فقال یا حمّاد هکذا صلّ

دوسرا سجدہ۔ اور کہا جس طرح پہلے سجدہ میں کہا تھا۔ اور نہ رکھا ایک عضو کو دوسری عضو پر رکوع وسجود میں اور رہتے پھیلائے ہوئے ہاتھ کو اور نہ رکھا ساق دست کو زمین پر۔ اسی طرح دو رکعت نماز پڑھی اور دونو ہاتھ آپ کے مضمومۃ الاصابع تھے اسیطرح تشہد پڑھا اور بعد تشہد سلام کیا پھر کہا اے حماد اسطرح نماز پڑھا کرو

میں نے اس غرض سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ شاید کوئی مسلمان اس روایت کو دیکھکر اپنی نماز درست کرے دوسرے یہ کہ چونکہ ملا محمد معین صاحب نے ان حضرات کے ہاتھ کھولنے کا ضمناً اشارہ کیا تھا اسلئے اسکی تصریح دکھائی تھی۔ مطابق روایت شیعہ اب میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں کیونکہ بفضلہ تعالی خود کتب معتبر اہلسنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ جو طریقہ شیعوں کا نماز پڑھنے میں ہے یہی سنت رسول اللہ تھا۔ اور تمامی اہل مدینہ جسمیں اولاد و ازواج رسول و موالی و صحابہ و تابعین و تبع تابعین سب داخل ہیں سب کا یہی معمول تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے۔ اور اہلسنت کے امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعی کا بھی اسی کے مطابق فتوی ہے تو اب اہلسنت غور کریں انکی نماز جو ہاتھ باندھکر ہوتی ہے کیسی ہے کیونکہ نہ کوئی حدیث صحیح ان کے پاس ہے۔ رسول اللہ سے نہ عمل صحابہ ہے نہ عمل تابعین تو اب ہم اس نماز کی نسبت کیا کہیں کہ آخر یہ نماز انکی کیسی ہے والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ علی نبیہ و اہلبیتہ باطناً و ظاہراً

دوسرا جملہ ابطال دلائل مخالفین

اہلسنت کی سب سے عمدہ دلیل اس مادہ میں روایت صحیح بخاری ہے جو حسب

ذیل ہے۔ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ حدثنا عبداللہ بن مسلمہ عن مالک عن ابی حازم عن سہیل بن سعد قال کان ناس یومرون ان یضع الید الیمنی علی ذراعہ الیسری فی الصلوۃ وقال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی قال اسمعیل ینمی ذلک ولم یقل ینمی

یہ باب اسکا ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نماز میں رکھیں حدیث بیان کی ہے ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک سے انہوں نے ابی حازم سے انہوں نے سہیل بن سعد سے کہ تھے لوگ حکم کئے جاتے اس بات کا کہ مرد رکھے داہنا ہاتھ کلائی پر بائیں ہاتھ کی نماز میں۔ کہا ابو حازم نے میں نہیں جانتا مگر یہ کہ وہ نسبت کرتے تھے اسکو رسول اللہ کیطرف کہا اسمٰعیل نے کہ ینمی ونک بصیغہ مجہول ہے اور نہیں کہا ینمی بصیغہ معروف خلاصہ یہ کہ سہیل بن سعد روایت کرتے ہیں لوگونکو اسکا حکم ہوتا تھا کہ داہنا ہاتھ بائیں پر رکھیں یہی روایت ہے جسپر اسکی بنا ہے کہ ہاتھ باندھکر نماز پڑھی جائے مگر خود روایت بتا رہی ہے کہ کس وضع کی یہ حدیث ہے جسپر خود علمائے اہلسنت نے چند اعتراض کئے ہیں (۱) علامہ عینی لکھتے ہیں وفیہ التحدیث بصیغۃ الجمع فی موضع والعنعنہ فی ثلاثۃ مواضع وھو من افراد البخاری ص۱۱۵ جلد۳ یعنی اسمیں پہلے تو حدثنا بصیغہ جمع ہے پھر تین موضع پر عنعنہ ہے۔ اور افراد بخاری سے ہے۔ کہ صرف بخاری اسکے راوی ہیں اور چونکہ عام طور سے اہلسنت کے یہاں جس روایت میں عن فلاں عن فلاں ہو وہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں اتصال ضروری ہے۔ اور عنعنہ بلا اتصال بھی ہوتا ہے۔ لہذا یہ روایت عام طور سے حکم صحت سے خارج ہے۔ اور بغیر صحت حدیث استدلال درست نہیں دوسرے حدیث مبہم ہے نہ معلوم اسکا تعلق حالت قیام سے ہے یا قعود سے۔ اسیلئے ابن حجر کو شرح میں یہ جملہ بڑھانا پڑا ای فی حالۃ القیام مگر نفس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حال قیام سمجھا جاوے۔ تیسرے اسمیں بھی ابہام ہے کہ کسکا حکم تھا کون حکم دیتا۔ اسی لئے ابن حجر کو یہ لکھنا پڑا ھکذا حکمہ الرفع لانہ محمول علی ان

الامر لهم بذلك هو النبی کما سیاتی یعنی یہ حدیث حکم رفع میں ہے۔ (یعنی نسبت ہے آنحضرت کیطرف) کیونکہ محمول ہے اسپر کہ حکم دینے والے اسکے رسول اللہ تھے جیسا کہ آتا ہے مگر اسمیں خرابی ہے کہ اگر حضرت کا امر ثابت ہو تو اس سی وجوب اسکا ثابت ہوگا اسلئے کہ امر وجوب کیلئے ہے اور کوئی قائل بوجوب نہیں لہذا نسبت امر حضرت کیطرف غلط ہے پس اگر فرض کیا جائے تو اس سے لازم آتی ہے مخالفت امام مالک و شافعی جو قائل بارسال تھے یعنی ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا اُنکا مذہب تھا۔ بلکہ امام مالک تو ہاتھ باندھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ امام مالک کا مذہب بمخالفت امر رسول قائم ہوا۔

تیسرے اگر اس لفظ یومرون سے یہ بات پیدا ہوتی تو ابوحازم کو اسکی تصریح کی کیا ضرورت تھی لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی یعنی میں جہاں تک جانتا ہوں وہ اس روایت کو نسبت کرتے تھے حضرت کیطرف کیونکہ اگر اصل روایت سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس اضافہ کی ضرورت نہ تھی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر نے اس اعتراض کو نقل کیا ہے۔ اور جواب دیا ہے۔ قیل لو کان مرفوعا ما احتاج ابو حازم الی قولہ لا اعلمہ الخ والجواب انہ اراد الانتقال الی التصریح فالاول لا یقال لہ مرفوع وانما یقال لہ حکم الرفع یعنی کہا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع ہوتی (یعنی منسوب آنحضرت کیطرف) تو ابوحازم کو اسکی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ لا اعلمہ الخ کہتے تو اسکا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ارادہ کیا اسکا کہ انتقال کریں طرف تصریح کے (یعنی تصریح کردیں کہ یہ حضرت سے روایت ہے) کیونکہ اول کو مرفوع نہیں کہتے۔ بلکہ حکم رفع کہتے ہیں۔

یعنی غرض یہ ہے کہ روایت مبہم تھی۔ اسلئے اسکی تصریح کردی کہ یہ روایت حضرت ہی سے ماخوذ ہے۔ حضرت ہی حکم دیتے تھے مگر اس میں یہ خرابی ہے کہ راوی کی تصریح سے کیا ہوتا ہے۔ جب تک خود اصل راوی اول نہ بیان کرے کہ ہمنے رسول اللہ سے سُنا یا حضرت نے ہم سے بیان کیا اسوقت تک حدیث کی مرفوعیت

نہیں معلوم ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر لکھتے ہیں۔ واعترض الدالی فی اطراف الموطا فقال ھذا معلول لانہ ظن من ابی حازم ورد بان اباحازم لو لم یقل لا اعلمہ الخ لکان فی حکم المرفوع لان قول الصحابی کنا نومر بکذا یفسر لظاھرہ الی من لہ الامر وھو النبی ﷺ لان الصحابی فی مقام تعریف الشرع فیحمل علی من صدر عنہ الشرع ومثلہ قول عائشۃ کنا نومر بقضاء الصوم فانہ محمول علی ان الامر بذلک ھو النبی واطلق البیہقی انہ لا اختلاف فی ذلک بین اھل النقل ص۱۲۶ کہ دالی نے اطراف موطا میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قول اسوجہ سے معلول ہے۔ کہ یہ گمان ابوحازم ہے (اور گمان راوی کوئی چیز نہیں) اسکا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ اگر ابوحازم یہ نہ کہتے کہ ہم جہاں تک جانتے ہیں اس قول کی نسبت حضرت کی طرف ہے۔ تو بھی یہ حدیث حکم رفع میں ہوتی کیونکہ جب صحابی یہ کہتا ہے کہ ہمکو ایسا حکم دیا جاتا تھا تو یہ اسی پر محمول کیا جاتا ہے۔ کہ حکم دینے والے آنحضرت ہیں۔ کیونکہ صحابی مقام تعریف شرع میں ہے۔ لہذا اسی پر حمل کیا جائیگا کہ یہ حکم شارع ہے۔ اور اسی کے مثل ہے قول عائشہ کہ ہملوگ حکم دئے جاتے تھے بقضاء صوم کیونکہ اس سے مراد یہی ہے کہ آں حضرت حکم دیتے تھے اور بیہقی نے تو اسکا دعوے کیا ہے علی الاطلاق کہ اہل نقل کو اس میں اختلاف ہی نہیں +

اقول افسوس ہے تو اسی کا کہ یہ حضرات دعوی کرتے ہیں علم حدیث کا اور مطلقاً اس سے بہرہ نہیں رکھتے کیونکہ قول عائشہ کنا نومر میں یا اور اقوال صحابہ میں میں جو اسطرح وارد ہیں پھر راوی اسطرح کی تصریح نہیں کرتا جو اسکا قرینہ ہے کہ وہاں مطلب واضح ہے اور صاف کہ یہ حکم رسول تھا بخلاف اسکے یہاں چونکہ اصل حکم رسول نہیں اسلئے اس حدیث کے اعتبار بڑھانے کو کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم دوسرے کسی کا تھا اسلئے ابوحازم نے لا اعلمہ کا اضافہ کیا جس سے خود بخود اسکی ضعیت ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ اگر یہ حدیث وضعی نہ ہوتی تو ابوحازم کو اسکے اضافہ کی ضرورت نہ تھی

پس یہ قول ابوحازم خود ہکا کاشف ہے۔ کہ حدیث رسول نہیں ہے ورنہ اہلحدیث بجائے خود کافی تھی اسکے لئے کہ یہ حکم رسول ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ حدیث وضعی یا جعلی ہوتی ہے منجانب اللہ اسمیں کوئی لفظا کوئی قرینہ ایسا ضرور پیدا ہوجاتا ہے جس سے اسکی ضعیت کھل جائے کیونکہ واضع خود جانتا ہے کہ یہ حدیث ہم وضع کر رہے ہیں اسلئے وضع کے احقا کیلئے وہ چاہتا ہے کسی طرح اسکو ایسا معتمد بنائیں کہ گمان وضع نہ ہو جس سے خواہی نخواہی کوئی لفظ ایسا بڑھانا پڑتا ہے کہ وہ پردہ دار ہو اور وہی پردہ داری اسکا پردہ فاش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث میں جو صحیح روایتیں ہوتی انیں ایسی باتیں نہیں ہوتی۔ اگر اسپر بھی تسکین نہ ہو تو خود حافظ ابن حجر کا کلام جو اسکے بعد ہے ملاحظہ فرمائیں۔ کہ لکھتے ہیں۔ وقد روی فی سنن ابی داؤد والنسائی وصحیح ابن السکن شئ یستانس بہ علی تعیین الامر والمامور فروی عن ابن مسعود قال رانی النبی واضع یدی الیسری علی الیمنی فنزعہا ووضع الیمنی علی الیسری اسنادہ حسن۔ یعنی ابوداؤد۔ نسائی صحیح ابن سنن میں ایک ایسی شئ روایت کیگئی ہے جس سے اس بات کی موانست ہوتی ہے۔ کہ آمر و مامور معین ہو کیونکہ روایت کی ہے ابن مسعود سے کہ دیکھا مجھے آنحضرت نے بایاں ہاتھ دایئں ہاتھ پر رکھے ہوئے تو حضرت نے چھوڑا دیا اور داہنا بایئں پر رکھا سند اسکی حسن ہے۔ مگر ہائے اس اسینا نے اور بھی وحشت پیدا کی کیونکہ اولا یہ حدیث حسن ہے اور وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے۔ تو حدیث صحیح کی وحشت حدیث حسن سے کیونکر دور ہوسکتی ہے کیونکہ حدیث حسن تو بمقابلہ صحیح کوئی چیز نہیں۔

دوسرے یہ واقعہ مخصوص ہے ابن مسعود سے اس سے اس حدیث عام کی وحشت کیونکر دفع ہوئی جس میں یہ بیان ہے کہ عام طور سے حکم دیا جاتا تھا۔

تیسرے اس حدیث میں نہ ذکر صلوۃ ہے نہ ذکر قیام نہ ذکر قعود۔ پھر اس حدیث سے اسکو کیا نفع پہنچ سکتا ہے جو خاص نماز کے متعلق ہے۔

یہاں معمولی عقل کا آدمی بھی کہدیگا کہ جسطرح بخاری نے وضعی حدیث لکھ کر ہاتھ باندھکر نماز پڑہنا ثابت کرنا چاہا اسی طرح ان محدثین نے جو اُنکے بعد ہوئے یہ سو منع کی حدیثیں ڈہالیں کہ بخاری کی کارروائی پر بھی پردہ پڑے اور ہاتھ باندھنا بھی ثابت ہو۔ مگر ایں خیالست ومحالست وجنوں۔ کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی جسکے راوی خود امام مالک ہیں تو اُسکے خلاف اپنا مذہب کیوں قائم کرتے جو تمام عالم کو معلوم ہے کہ مالک کا مذہب ہاتھ کھولنا تھا چنانچہ خود ابن حجر ہی لکھتے ہیں سو دوے ابن القاسم عن مالك الارسال وصار اليه اكثر اصحابهم وعنه التفرقة بين الفريضة والنافلة ومنهم من كره الامساك ونقل ابن حاجب ان ذلك حيث يمسك معتمدا لقصد الراحة يعنی ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے۔ ارسال کو اور اکثر اصحاب ان کے اسی طرف گئے ہیں اور اُن سے فریضہ ونافلہ میں فرق بھی منقول ہے اور بعضے علمائے مالکیہ نے کراہت کی ہے۔ ہاتھ باندھنے سے اور ابن الحاجب نے نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندھنا بضرورت جائز ہے کہ بقصد آرام ایسا کیا جائے۔

تو اب دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ امام مالک نے اپنا مذہب خلاف حدیث صحیح قائم کیا جس سے پھر اُنکا کفر لازم آتا ہے ومن يشاقق الرسول دوسرے یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے جبھی مالک نے اسکو کوئی چیز نہ سمجھا اور اسکے خلاف اپنا مذہب قائم کیا۔

اس روایت کا آخری فقرہ جسے میںنے علامت وضع قرار دیا ہے وہ قول ابو حازم ہے قال ابو حازم لا اعلمه الا ينمي ذلك الى النبی صلعم یعنی کہا ابو حازم نے کہ میں جہاں تک جانتا ہوں اس روایت کو سہل نے حضرت کیطرف منسوب کیا ہے اسکی حقیقت کچھہ تو پہلے مذکور ہوئی مگر صحیح بخاری میں ہے کہ اسمٰعیل کہتے ہیں یہ ینمی ہے بصیغہ مجہول نہ ینمی بصیغہ معروف مطلب اسکا یہ ہے کہ ابو حازم نے ینمی کہا تھا۔ بصیغہ مجہول کہ میں جہاں تک جانتا ہوں اسکی نسبت کیجاتی ہے آنحضرت صلعم

کیطرف نہ یہ کہ ابوحازم نے یہ کہا ہو کہ راوی نے حضرت کیطرف منسوب کیا۔
ان دونو لفظونکا فرق اسطرح ظاہر ہو گا کہ اگر قول (ابوحازم میں نُمِی ہو بصیغہ معروف تو اُسوقت یہ معنی ہونگے کہ سہل نے اسکی نسبت آنحضرت کیطرف کی اس صوٗرت میں حدیث مرفوع متصل ہوگی کیونکہ سہیل نے حضرت کی طرف نسبت کی ہے اور بصیغہ مجہول لیا جائے کہ نسبت کی جاتی ہے تو اس صورت میں حدیث مرفوع نہوئی بلکہ مرسل ہوئی۔ جو صحیح نہیں ہوتی شرح عینی میں ہے فعلی صیغۃ المجہول یکون الحدیث مرسلا لان اباحازم لم یبین من انماہ وعلی صیغۃ المعلوم یکون متصلا لان الضمیر فیہ یکون لسہیل بن سعد لان ابا حازم قد یتعین لہ المنمی وھو سہیل بن سعد ص۱۶ جلد ۳
بہرحال جب خود بخاری نے بقول اسمٰعیل نمِی کو صحیح کہا تو خود بخود یہ روایت ساقط الاعتبار ہوئی۔ کیونکہ مرسل ہے جسکو صحیح نہیں کہہ سکتے کہ صیغہ مجہول پڑھنے پر حدیث مرسل ہوگی۔ کہ خود صحابہ کا قول ہوگا۔ اور صیغہ معروف پڑھنے پر حدیث متصل ہوگی۔ کیونکہ ضمیر عائد ہوگی سہیل بن سعد کیطرف۔
اس تحقیقات کے بعد کسی متامل کو اس میں شک نہ ہیگا کہ یہ حدیث محض وضعی ہے کیونکہ جس روایت میں اتنی خرابیاں ہوں وہ کب قابل قبول ہوسکتی ہے چہ جائیکہ اُسپر نماز ایسے رکن دین کا مدار رکھا جائے اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ راوی اس روایت کے امام مالک ہیں جنکا مذہب بالکل اسکے خلاف ہے پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ وہ اپنا مذہب اسکے خلاف قرار دیتے کیونکہ لفظ حدیث ایسا مبہم ہے کہ کسی طرح اس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ حکم رسول ہو۔ کیونکہ مولوی عبدالحی صاحب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی میں لکھتے ہیں قال ابن الصلاح لا فرق فی ذلک بین ان یقول الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعدہ انتھی و تبعہ النووی فقال قول الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او امر الناس بکذا ونحوہ کلہ مرفوع سواء قال الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول

الله او بعد وفاته ونقضه الحافظ العيني فی النبایة شرح الهدایہ علی قوله سواء قال هذا غیر مسلم لجواز ان یقول الصحابی امرنا بکذا و نهینا بکذا بعد رسول الله ویکون الامر والناهی احد الخلفاء الراشدین انتهی وهذا الاحتمال قوی البتة ص۱۱۲ یعنی ابن الصلاح نے یہ اصول قائم کیا تھا کہ جب صحابی کہے امرنا بکذا تو وہ حدیث مرفوع ہے۔ خواہ عہد نبی میں ہو یا بعد آنحضرت ہو۔ اس پر علامہ عینی لکھتے ہیں کہ یہ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے آمر وناہی خلفاء راشدین سے کوئی خلیفہ ہو۔ مولوی عبدالحی صاحب کہتے ہیں کہ یہ احتمال البتہ قوی ہے۔

پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے حکم رسول کہاں ثابت ہُوا کیونکہ بقول عینی ممکن ہے کہ یہ حکم کسی خلیفہ کا ہو۔

علامہ عینی کا یہی اعتراض اس حدیث پر بھی ہے کہ امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الوتر اسکے جواب میں لکھتے ہیں لا حجة للشافعیة فی هذا الحدیث لانه لم یذکر الآمر فیحتمل ان یکون غیر النبی ؐ ظفر الامانی صفحہ ۱۱۱ پس جب بلال کے بارے میں انکا یہ عذر ہے۔ حالانکہ بلال نے پھر کسی خلیفہ کیلئے اذان نہ دی۔ تو سہیل بن سعد کے بارے میں بدرجہ اولیٰ یہی عذر کافی ہے کہ انہوں نے یہ حکم کسی خلیفہ کا بیان کیا ہو جسکا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ مالک جو راوی الحدیث کے ہیں انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور برخلاف اسکے اپنا مذہب قائم کیا۔

یہاں عینی نے شرح صحیح بخاری میں کچھ مزید تفصیل سے کام لیا ہے لکھتے ہیں ومن جملة ما احتججنا فی الوضع حدیث رواه ابن ماجة من حدیث الاحوص عن سماك بن حرب عن قبیصة بن المهلب عن ابیه قال کان النبی ؐ یومنا فیاخذ شماله بیمینه وحدیث اخر اخرجه مسلم فی صحیحه عن وائل بن حجر ان رسول الله رفع یدیه الحدیث وفیه ثم وضع یده الیمنی علی الیسرى وحدیث

آخر اخرجہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ من حدیث الحجاج ابن ابی
زینب سمعت اباعثمان یحدث عن عبداللہ بن مسعودؓ انہ کان یصلی
فوضع یدہ الیسرےٰ علی الیمنی فراہ النبی علیہ الصلوۃ والسلام فوضع
یدہ الیمنی علی الیسرےٰ وحدیث آخر اخرجہ دارقطنی من
حدیث ابن عباس عن النبی قال انا معشر الانبیاء امرنا بان تمسک
بایماننا علی شمائلنا فی الصلوۃ وفی اسنادہ طلحۃ ابن عمر متروک
وعن ابن معین لیس بشئ وحدیث آخر اخرجہ الدارقطنی ایضاً
عن ابی ھریرۃ مرفوعاً نحو حدیث ابن عباس وفی اسنادہ النضر
بن اسمعیل قال ابن معین لیس بشئ ضعیف صت ۱۵ جلد ۳ یعنی جن حدیثوں
سے ہاتھ باندھنے پر ہم لوگ استدلال کرتے ہیں ایک حدیث ابن ماجہ ہے احوص
سماک بن حرب قبیصہ بن ہلب۔ہلب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت
ہم لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو بائیں ہاتھ کو پکڑا دائیں ہاتھ سے۔
دوسری حدیث مسلم کی ہے وائل بن حجر کی کہ حضرت نے داہنا ہاتھ اپنا رکھا بائیں ہاتھ پر
تیسری حدیث روایت ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ رکھا
بائیں پر یہ حدیث حجاج بن ابی زینب ہے ابو عثمان سے وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے
کہ یہ بایاں ہاتھ داہنے پر رکھے تھے حضرت نے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا۔
چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے ابن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا کہ ہم
معاشر انبیاء کو اسکا حکم ہے کہ داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑیں۔اس روایت
میں طلحہ بن عمر و متروک ہے ابن معین نے کہا لیس بشئ ۔
پانچویں حدیث دارقطنی کی ابو ہریرہ سے ہے۔مثل حدیث ابن عباس
اسکے سند میں نضر بن اسمعیل ہے جو بقول ابن معین لیس بشئ ہی ضعیف ہے
یہ پانچ حدیثیں ہیں جنمیں دو جو دارقطنی کی روایت ہے بقول خود عینی لا
شئ ہے۔باقی رہی تین روایتیں پہلی روایت کے راوی اول احوص ہیں۔

خلاصہ تہذیب الکمال میں ہے۔ قال ابن معین ثقۃ ومرۃ ثقۃ لیس بذالك المتوفی سنہ ۱۱۲ھ کہا ابن معین نے ایک دفعہ کہ ثقہ ہیں۔ دوسری مرتبہ کہا لیس بذالک۔ راوی دوم سماک بن حرب ہیں۔ میزان الاعتدال میں ہے صفحہ ۴۰۳ جلد اول :—

سماك بن حرب ابو المغيرة الهذلي الكوفي صدوق صالح من اوعية العلم مشهور روى ابن المبارك عن سفيان انه ضعيف قال جرير الضبي اتيت سماكا فرايته يبول قائما فرجعت ولم اسأله فقلت خرف و روى احمد بن ابي مريم عن يحيى سماك ثقة كان شعبة يضعفه وقال حماد المكتب كنا نأتي سماكا فنسأله عن الشعر ويأتيه اصحاب الحديث فيقبل علينا ويقول سلوا فان هؤلاء ثقلاء وروى مومل عن حماد بن سلمة سمعت سماك بن حرب يقول ذهب بصري فرأيت ابراهيم الخليل في النوم فقلت ذهب بصري فقال انزل الفرات فاغمس راسك وافتح عينك ان الله

خلاصہ یہ کہ سماک بن حرب ہذلی صدوق ہیں صالح ہیں اوعیہ علم سے ہیں روایت کی ابن المبارک نے کہ وہ ضعیف ہیں۔

جریر ضبی کہتے ہیں کہ ہم سماک کے یہاں گئے تو اُسے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا لہذا واپس آگئے اور کچھ نہ پوچھا اور کہا کہ خرف ہو گیا۔ شعبہ انکو ضعیف کہتے ہیں۔ حماد مکتب کہتے ہیں کہ ہم لوگ شعر وغیرہ پوچھنے آتے تھے۔ اور اہلحدیث حدیث سیکھنے تو وہ ہم لوگوں کیطرف متوجہ ہوتے اور اہلحدیث کو کہتے یہ سب ثقیل ہیں مومل نے کہا کہ جب انکی آنکھ جاتی رہی تو حضرت ابراہیم ؑ کو خواب میں دیکھا اُن سے شکایت کی تو کہا فرات میں غوطہ لگاؤ اور آنکھیں کھولدو۔ اس سے پھر

يرد عليك بصرك ففعلت ذلك فرد الله علیّ بصری وقال ادركت ثمانين من الصحابة وقال احمد، سماك مضطرب الحديث وقال هو اصلح حديثا من عبد الملك بن عمرو وقال ابو حاتم ثقة صدوق وقال صالح جزرة يضعف وقال النسائي اذا انفرد باصل لم يكن حجة لانه كان يلقن فيتلقن روى حجاج عن شعبة قال كانوا يقولون سماك وعكرمة عن ابن عباس فيقول نعم فاما انا فلم اكن القنه قد روى قتادة عن ابی الاسود الدولی قال ان سرك ان يكذب صاحبك وقال عبد الله بن احمد بن حنبل قرات بخط ابی عن رجل لم يسمه قال كان سماك بن حرب فصيحا يزين الحديث بمنطقه وفصاحته قلت قد احتج مسلم به وفی روايته عن جابر بن سمرة والنعمان بن بشر وجماعة وحدث عنه شعبة وزائدة وابو عوانة والناس قال ابن المدينی له نحو مائتی حديث قال ابن عمار

ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں سماک کا بیان ہے کہ ہم نے اسّی صحابہ کو پایا۔ احمد کہتے ہیں کہ سماک مضطرب الحدیث ہے۔ ابو حاتم ثقہ صدوق کہتے ہیں صالح جزرہ ضعیف کہتے ہیں نسائی کہتے ہیں جب وہ تنہا روایت کریں تو وہ قابل احتجاج نہیں کیونکہ ان کو لوگ تلقین کرتے تھے تو یہ اسکو یاد کر لیتے تھے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے سماک وعکرمہ عن ابن عباس تو یہ کہتے ہاں۔ ہم ان کی تلقین نہ کرتے تھے۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کے حرف سے دیکھا ہے کہ سماک فصیح تھے اپنی خوش بیانی سے حدیث کو زینت دیتے ذہبی کہتے ہیں ان سے مسلم نے اور شعبہ نے اور ایک جماعت نے روایت کی ہے ابن مدینی کہتے ہیں کہ ان کی دو سو روایتیں ہیں۔ ابن عمار کہتے ہیں کہ

كان يغلط ويختلفون في حديثه وقال العجلي جائز الحديث كان الثوري يضعفه قليلا وقال ابن المديني روايته عن عكرمه مضطربة فسفيان وشعبه يجعلوها عن عكرمه وابو الاحوص واسرائيل يجعلونها عن عكرمه عن ابن عباس وقال يعقوب بن الشيبة هو في غاية عكرمه صالح وليس من المثبتين ص۲۸۴

اکثر غلطی کرتے اور لوگ اُنکی روایت میں اختلاف کرتے۔ عجلی جائز الحدیث کہتے ہیں سفیان ثوری انکو ضعیف کہتے ہیں مگر کم۔ کہا ابن المدینی نے کہ ان کی روایت عکرمہ سے مضطرب ہے یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں عن عکرمہ میں صالح ہیں مگر مثبتین سے نہیں ہیں۔

راوی سوم قبیصہ بن ھلب عن ابیہ میزان میں ہے قال ابن المدینی مجہول لم یرو عنہ غیر سماک وقال العجلی ثقۃ تابعی ص۳۱۱ جلد ۲ کہا ابن مدینی نے کہ قبیصہ بن مجہول ہیں بجز سماک کسی نے انسے روایت نہیں کی عجلی ثقہ وتابعی کہتے ہیں۔

ان تصریحات صریحہ سے کہ تینوں راوی اسکے مجروح ہیں روایت ابن ماجہ کی قلعی تمام عالم پر کھل گئی کہ یہ روایت کیسی ہے

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا تھا۔ کہ حضرت ہم لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ تو بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ پس جب تینوں راوی اسکے مجروح وضعیف ہیں تو حدیث صحیح کہاں رہی اس پر بنا کرکے ہاتھ باندھنا کیسا لغو ہے۔

دوسری حدیث ابن ماجہ۔ ابو داؤد۔ نسائی کی حجاج بن ابی زینب سے ہے۔ کہ ابن مسعود نے کہا ہم نے بایاں ہاتھ داہنے پر رکھا تھا۔ حضرت نے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھدیا ابن حجر نے اسے حسن کہا تھا۔ مگر میزان الاعتدال میں ہے۔ حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل

عن ابی عثمان النہدی وغیرہ وعنہ یزید بن ہارون وعبدالرحمن بن مہدی قال احمد اخشی ان یکون ضعیف الحدیث وقال ابن معین لیس بہ باس وقال ابن المدینی ضعیف وقال النسائی لیس بالقوی قلت مات سنۃ بضع وخمسین ومائۃ وقال الدارقطنی لیس ہو بقوی ولا حافظ ص۱۴۸ جلد اول کہا احمد بن حنبل نے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ ضعیف الحدیث نہ ہو۔ ابن معین نے کہا کوئی مضائقہ نہیں ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہیں ہے دارقطنی نے کہا وہ قوی نہیں نہ حافظ حدیث تھا۔ سنہ ۱۵۰ھ وفات۔

تیسری روایت صحیح مسلم ہے۔ حدثنا زہیر بن حرب قال نا عفان قال نا ہمام قال نا محمد بن جحادہ قال حدثنی عبدالجبار بن وائل عن علقمہ بن وائل ومولی لہم انہما حدثاہ عن ابیہ وائل بن حجر انہ رای النبیؐ رفع یدیہ حین دخل فی الصلوٰۃ کبر وصف ہمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ فلما ان اراد ان یرکع اخرج یدیہ من الثوب ثم رفعہما ثم کبر فرکع فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ فلما سجد سجد بین کفیہ۔

یہ حدیث اگرچہ بہ نسبت حدیث بخاری صریح ہے مگر بالکل خلاف قیاس ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو وہ ان حالات کو مشاہدہ کرے کیونکہ وائل بن حجر بیان کرتے ہیں۔ حضرت نے پہلی تکبیر کے لئے ہاتھوں کو کانوں کے برابر بلند کیا پھر لباس کو مثل لحاف کے اوڑھا پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھوں کو باہر نکالا پھر تکبیر کہی پھر رکوع کیا جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر دونو ہاتھوں کو بلند کیا۔ اور جب سجدہ کیا تو دونو ہتھیلیوں کے درمیان میں سجدہ کیا۔

اس حدیث کا یہ بیان کہ حضرت نے کپڑا کو اچھی طرح اوڑھ لیا اور

بطور لحاف بنایا۔ خود بتارہا ہے کہ راوی نے اسکے بعد وضع یمنی علی الیسری کو محض تخمیناً بیان کیا ہے۔ نہ یہ کہ دیکھا ہو کیونکہ ماموم کو ممکن نہیں ان حالات کو کو دیکھ سکے۔ خصوصاً جب امام چادر یا لحاف اوڑھے ہو۔ کہ اس کے اندر ہاتھ کو کیونکر رکھتا ہے۔ کیونکر نہیں۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ وائل بن حجر اس دفعہ شریک جماعت نہ تھے بلکہ دیکھتے رہے تو البتہ ممکن ہے مگر یہ احتمال خود احتمال بعید ہے اور بالکل خلاف قیاس

غرض یہی دو روایتیں ہیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے ہاتھ باندھنے پر چنانچہ نووی کہتے ہیں وحجۃ الجمہور فی استحباب وضع الیمین علی الشمال حدیث وائل المذکور ھھنا وحدیث ابی حازم رواہ البخاری صـ۳۲ یعنی دلیل ان لوگوں کی جو ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں ایک یہی حدیث وائل ہے جو صحیح مسلم میں ہے دوسری روایت ابو حازم جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ تیسری روایت ترمذی جو حسن ہے اور بھی حدیثیں ہیں مگر ان پر نہ حکم صحت لگایا ہے نہ حسن کا۔

مگر ان سب روایتوں کا جواب علاوہ قدح رواۃ یہ ہے کہ اگر یہ روایتیں صحیح ہوتیں تو امام مالک اپنا مذہب اسکے خلاف قائم نہ کرتے جو ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہیں۔ خاصکر جب خود ہی ایک حدیث کے راوی ہیں جو صحیح بخاری کی روایت ہے جس سے بداہت ظاہر ہے کہ وہ اس روایت سے واقف تھے۔ کیونکہ خود ہی اسکے راوی ہیں تو بغیر اسکے کہ وہ اس روایت کو غیر صحیح جانتے تھے۔ ممکن نہ تھا کہ اس کے خلاف اپنا مذہب قائم کرتے۔

میں جہاں تک [illegible] ہوں اس ہاتھ باندھنے کے موجد امام ابو حنیفہ ہیں جیسے انہوں [illegible] لفت آئمہ اہلبیت ایجاد کیا۔ اور چونکہ وہ سلطنت کے آور دہ تھے اس [illegible] مذہب سلطانی قرار پایا جسکے بعد محدثین بھی اسپر مجبور ہوئے کہ اس قسم کی روایتیں بنالیں لہذا اس ایجاد کے بعد روایتوں کی ساخت

شروع ہوئی۔ کیونکہ **اولاً** اسلامی احکام جسقدر دیکھے جاتے ہیں اُنمیں اسقدر سادگی اور بے تکلفی ہے۔ کہ نہ کہیں تصنع ہے۔ نہ تکلف۔ اور ابو حنیفہ چونکہ اصلاً عجمی تھے اسلئے انکی فطرت میں تکلف و تصنع بھرا ہُوا تھا۔ اسی لئے انہوں نے شاہی قواعد و آداب سے جو عجم میں مروج تھا کہ بادشاہ کے سامنے مودب دست بستہ کھڑے ہوں۔ یہ طریقہ اخذ کیا کہ نماز میں بھی دست بستہ کھڑے ہوں حالانکہ نہ شارع نے اسکی اجازت دی تھی نہ اسکا حکم دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک جو عربی نژاد تھے اور صحابہ کی اولاد سے اور بود و باش انکی مدینہ میں تھی اس تصنع سے بری ہے۔ اور وہی طریقہ انہوں نے اختیار کیا جو رسول اللہ اور صحابہ و تابعین کا طریقہ تھا۔

ثانیاً ابو حنیفہ کا قیام کوفہ میں تھا جہاں شیعوں کی جمعیت زیادہ تھی اور اکثر موالی اہلبیت تھے اسلئے انکو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کریں جس سے شیعہ و سُنی میں ایک نمایاں فرق ہو جائے کیونکہ افعال نماز سب کے یکساں تھے۔ سب ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ اسلئے کوئی تمیز نہ تھی کہ کون سُنی ہے کون شیعہ لہذا ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے بیّن طور پر فرق نمایاں ہو۔

بخلاف اسکے امام مالک کا قیام مدینہ منورہ میں تھا جہاں کا بچہ بچہ تک آداب و قواعد سے نماز کے واقف تھا۔ اور پھر آئمہ اہلبیت کا بھی وہیں قیام تھا۔ جن سے گو زمانہ موافق نہ تھا۔ مگر نہ ان کی اعلمیت میں کسی کو عذر تھا نہ اس میں کہ یہی لوگ سچے وارث شریعت ہیں اسلئے اگر امام مالک والا جاہتے بھی کہ خلاف طریقہ رائجہ کوئی طریقہ جاری کریں تو کبھی کامیاب بھی نہ ہوتے چنانچہ آپ معاویہ کی حالت دیکھ چکے ہیں کہ جب اس نے بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا سورہ میں ترک کیا۔ تو ہر طرف سے مہاجرین و انصار کی آواز بلند ہوئی کہ اسرقت البسملۃ یا معٰویہ کہ اے معویہ تو نے بسم اللہ چورالیا۔ تو بھلا امام مالک ایسی ایجادیں کب کامیاب ہو سکتے تھے۔ اسی سبب سے اور بھی

وہ اس طریقہ سابقہ کو چھوڑ نہ سکے حالانکہ سلطنت کے دباؤ یا خاطر سے ایک روایت پیش کردی **ثالثاً** خلافت بھی چونکہ خاندان بنی ہاشم میں آئی تھی اور بنی عباس داولاد جناب امیرؑ اس میں پہلے متحد سمجھے جاتے۔ جسکو منصور دوانیقی نے اپنے زمانہ خلافت میں مٹایا۔ اس لئے وہ خلفا بھی اسپر مجبور تھے۔ کہ کوئی ایسا طریقہ رائج ہو جس سے طرفداران سلطنت اور ہوا خواہان اہلبیت طاہرین متمیز ہو جائیں اسلئے ہاتھ باندھنے نے زیادہ رواج پایا کیونکہ یہی گویا شاہی مذہب ہو گیا تھا۔ مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چونکہ پائے تخت خلافت سے دُور تھا اس لئے اُسپر اثر کم پڑا اور امام مالک یہاں مجبور تھے کہ اُسی طریقہ کو جاری رکھیں جو زمانہ رسول اللہؐ سے مروّج تھا۔

رابعاً امام مالک بہ نسبت ابوحنیفہ کے کچھ آزاد مزاج بھی تھے اور اُن میں خود ایک طرح کی شان بھی تھی اسلئے وہ سلطنت کے دباؤ میں زیادہ نہ آتے چنانچہ ایک دفعہ ہارون رشید نے انسے فرمائش کی کہ امین و ماموں کی تعلیم کیلئے روزانہ آیا کریں ایک روز تو مالک گئے مگر دوسرے روز انکار کردیا کہ اہل علم کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تعلیم کے لئے جایا کرے بلکہ جو طالب علم ہوتا ہے اُسے آنا چاہیئے۔ اسلئے اور بھی انہوں نے اپنا طریقہ نہ بدلا۔

بخلاف ابوحنیفہ کے کہ وہ ایسے خوشامدی تھے کہ منصور دوانیقی نے انکو حکم دیا کہ اینٹیں جو شہر بغداد کے تعمیر کے لئے آرہی ہیں ان کو گنا کرو۔ ابوحنیفہ نے اُسے بھی قبول کرلیا۔

خامساً محدثین چونکہ قریب قریب سبھی خلافت کے وظیفہ خوار تھے اس لئے جو ہوائے سلطنت ہوتی۔ اسی کے مطابق حدیثیں گھڑ دیتے۔ اس لئے اتنی حدیثیں اس باب میں بھی بن گئیں۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ایسے حسی امور میں اس قدر اختلاف ہو۔

آپ تو **رسالہ وضو** میں دیکھ چکے ہیں کہ وضو کے بارے میں کیسا حکم

صریح قرآن میں موجود ہے۔ وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین جس میں ایک اندھا بھی نہیں شک کرسکتا کہ سر اور پیر پر مسح کا حکم ہے حدیثیں بھی بیشمار اسکے موافق ہیں مگر چونکہ خلیفہ دوم نے پیر دھونے کی ایجاد کی تھی اس لئے حدیثیں اسی کے موافق بن گئیں۔ اور قرآن میں ایک صریح غلطی کا التزام کرلیا گیا۔

اسی طرح اس ہاتھ باندھنے کو سمجھئے کہ چونکہ سلطنت کا یہی مذہب تھا۔ لہذا ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ اور ہر قسم کی حدیثیں وضع کر دی گئیں کہ یہی سنت رسول اللہ ہے حالانکہ محض غلط ہے۔

اگر میرے اس بیان پر وثوق نہ ہو۔ تو علامہ عینی کے کلام سے اس نتیجہ کو اخذ کیجئے کیونکہ وہ اختلاف محل کے متعلق لکھتے ہیں فعندہ تحت السرۃ وعند الشافعی علی الصدر کہ حنفیوں کے نزدیک ناف پر ہاتھ رکھنا چاہیئے اس میں کوئی تصریح اس کی نہیں ہے کہ کہاں ہاتھ باندھنا چاہیئے۔ مگر ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھا تھا۔ اور حنفیوں نے حضرت علی کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا سنت سے یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھے اسپر عینی لکھتے ہیں قلت ھذا قول علی بن ابیطالب واسنادہ الی النبی غلط ص۱۵ جلد ۳ یعنی یہ قول حضرت علیؑ کا ہے اور اس کی نسبت رسول اللہ کیطرف غلط ہے۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ وضعی روایت کیوں حضرت کیطرف منسوب کی گئی۔ اسی لئے کہ وہ بھی ہاتھ باندھنے میں شریک کرلئے جائیں۔

پھر لکھتے ہیں ولکن الذی روی عن علیؑ فیہ مقال لان فی سندہ عبدالرحمن بن اسحق الکوفی قال احمد لیس بشیء منکر الحدیث یعنی جناب امیر والی روایت میں یہ بھی کلام ہے کہ اسکی سند میں عبدالرحمن بن اسحق کوفی ہے جسکے نسبت امام احمد کہتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ اور لیس بشیء

میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ اس روایت سے وہ دست بردار ہو

گئے ہوں کیونکہ اسکا جواب یہ دیا کہ ابو داؤد نے اس سے روایت کی اور ابن حازم نے دوسری روایت نکالی جسکی غرض یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمارا عمل اسپر ہے

اس روایت اور اس تحقیقات عینی سے اسقدر تو آپکو یقیناً معلوم ہوا کہ محدثین اہلسنت نے ہوا داری سلطنت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور ہر طرح کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے نام سے بھی حدیثیں گڑھیں جناب امیر کی طرف بھی وضعی حدیث کی نسبت کی جس میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ضرور ہوئے کہ مسلمانوں کے ایک بڑی جماعت کی نماز کو خراب کیا اور قیامت تک ایک ایسا پھندا ڈالدیا جس سے نکلنا محال ہے۔

اب میں اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں اور بطور اتمام حجت یہ عرض کرتا ہوں کہ برائے خدا اور رسول اپنی نماز درست کیجئے اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھیے جو طریقہ رسول اللہ تھا اور طریقہ اہلبیت اطہار اور طریقہ تمامی صحابہ و تابعین و امام مالک جو آجتک مالکیوں میں رائج ہے چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں۔ وحکی بن المنذر عن عبداللہ بن الزبیر والحسن بصری وابن سیرین انہ یرسلھما وکذلک عند مالک فی المشھور یرسلھما وان طال ذلک علیہ وضع الیمنی علی الیسری للاستراحۃ منھا یعنی ابن المنذر نے عبداللہ بن زبیر خلیفہ و صحابی اور امام حسن بصری اور ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے اور مالک سے بھی روایت مشہور یہی ہے مگر بغرض استراحت وہ اسکی اجازت دیتے تھے اگر نماز میں طول ہو جائے تو داہنا بائیں پر رکھے۔

کیونکہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھیئے گا تو آپ کو ہزاروں دقتیں پیش ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اگر سینہ پر ہاتھ باندھیے گا تو گو مذہب شافعی میں جائز ہے مگر حنفیوں کے یہاں ناجائز اور دونوں کا استدلال حدیث سے ہے پھر امام شافعی کو یہ بھی شکایت ہوگی کہ ہم نے تو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی تھی

اور امام احمد بن حنبل علیحدہ ناراض ہونگے کیونکہ انسے دو روایتیں ہیں اگر اس احتمال سے
نکل گئے تو پھر یہ دقت ہے کہ کسطرح رکھے گا کیونکہ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ داہنے
ہاتھ کی ہتھیلی (کف دست) بائیں ہاتھ کے گٹے پر رکھنا چاہیئے۔ ابو یوسف کہتے
ہیں داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا (رسغ) گٹا پکڑنا چاہیئے۔ محمد کہتے ہیں اسی طرح
رکھنا چاہیئے۔ (یعنی پکڑنا نہ چاہیئے) مفید میں ہے کہ (رسغ) گٹے کو خنصر و ابہام
سے پکڑنا چاہیئے۔ یہی مختار ہے۔ درایہ میں ہے کہ کوع الیسیر (جوڑ انگشت
اور خنصر کی طرف) کو کف ایمن سے پکڑے یہی قول احمد و شافعی ہے۔ ابو یوسف
محمد کی ایک روایت یہ ہے کہ باطن اصابع کو رسغ پر طولاً رکھے اور نہ پکڑے
اور اکثر مشائخ نے اس کو مستحسن سمجھا ہے۔ کہ باطن کف دست راست کو
کف دست چپ پر رکھے اور خنصر و ابہام سے حلقہ باندھے رسغ پر ص۱۵ جلد ۳
کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شریعت سہلہ سمجھہ میں ایسی موشگافی ہو سکتی ہے
حاشا و کلا یہ سب حنفیوں کی ایجاد ہے جس سے شریعت اسلامی کی تضحیک و
توہین ہوتی ہے۔ ان سب کے بعد عینی نے اسرار شریعت بنایا ہے چنانچہ
لکھتے ہیں الوجہ الخامس فی الحکمۃ فی الوضع علی الصدر انہ ابلغ فی الخشوع
وفیہ حفظ نور الایمان فی الصلوٰۃ فکان اولی من اشارتہ
الی العورۃ بالوضع تحت السرۃ وھذا قول من ذھب الی ان
السنۃ الوضع علی الصدر ونحن نقول الوضع تحت السرۃ
اقرب الی التعظیم۔ وابعد من التشبیہ باھل الکتاب و اقرب
الی ستر العورۃ وحفظ الازار عن السقوط وذلک کما
یفعل بین یدے للملوک و فی الوضع علی الصدر تشبہ
بالنساء فلا یسن ص۱۶ جلد ۳ کہ ہاتھ باندھنے کا کیا فائدہ ہے
سینہ پر ہاتھ رکھے گا تو یہ فائدہ ہے کہ اس میں نور ایمان کی حفاظت
ہوتی ہے۔ نماز میں۔ تو یہ اولی ہے بہ نسبت اس کے کہ ناف پر ہاتھ

ادلۃ السنۃ فضل الوضع علی الصدر

رکھ کر اشارہ کرے طرف عورت (یعنی آلۂ تناسل کیطرف) اور حنفی اس کا یہ فائدہ بتاتے ہیں۔کہ زیر ناف رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ ستر عورت ہوتی ہے (کیا نماز بلا لباس کے ہوتی ہے۔) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ازار (پائجامہ یا تہبند) گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔جیساکہ بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تشبہ اہل کتاب سے کچھ بُعد ہو جاتا ہے۔یہ سب فوائد ہیں زیر ناف ہاتھ باندھنے کے۔

اور چونکہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے عورتوں کی مشابہت ہوتی ہے لہذا یہ مسنون نہیں ہے۔ صلا۱۶ جلد ۳

اس بیان سے اور بھی میرے دعوے کی تصدیق ہوئی کہ امام **ابو حنیفہ** اس کے موجد ہیں کیونکہ وہ عجمی نژاد تھے۔شاہی آداب سے واقف لہذا اُسی قیاس پر نماز کا خشوع قائم کیا جس میں ان کو اہل کتاب کے طریقہ نے بھی مدد دی کہ وہ شاید سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے لہذا انہوں نے زیر ناف رکھا کہ تشبیہ اہل کتاب سے بھی علیحدہ ہوں اور پھر شاہی آداب بھی قائم رہے۔یہ فوائد بھی حاصل ہو کہ ہاتھ **عضو مخصوص** پر رہے۔کیونکہ نماز سے بڑھکر کس وقت تخلیہ ہوسکتا ہے۔

بھلا شریعت کو ان اسرار و فوائد سے کیا واسطہ اسکی تعلیم تو یہی ہے ما اتیکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا جو کچھ تم کو رسول دیں اسکو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔یہ کس خدا نے کہا کہ تم اپنی رائے دوڑاؤ۔اپنی عقل اپنے قیاس سے کام لو۔اس کی تو ہزارہا دفعہ ممانعت کی گئی ہے۔پھر آپ کون ہیں جو بادشاہان عجم کے طریقہ کو جاری کرتے ہیں کہ دست بستہ کھڑے ہوں۔اور اہل کتاب کا طریقہ سیکھے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔اور اس سے نہیں شرماتے کہ خدا کے سامنے کہاں ہاتھ رکھتے ہیں۔

اب شافعی اور حنفی کا فرق یہ نکلا کہ چونکہ شافعیوں پر بقول عینی زنانہ پن غالب ہے۔ لہذا انہوں نے عورتوں کی مشابہت اختیار کی۔ اور حنفیوں کو اسکے مقابلہ میں دوسری قوتِ شہوانی کے دبانے کی ضرورت تھی لہذا انہوں نے زیر ناف ہاتھ رکھا کہ ازار نہ کھل جائے۔ اور اصل نماز جو روح نماز ہے یعنی **حضور قلب** اس کی کسی کو فکر نہ ہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ حضور قلب بغیر ارسال یدین یعنی بغیر ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے ناممکن ہے۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کو ان لوگوں نے کیسا ذلیل کیا۔ کہ ایک نماز کو بھی اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا جس سے اسلام کی استقامت ظاہر ہوتی۔ اور اس کی فیاضی کہ ہر وقت ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس کی طرف خداوند عالم نے اشارہ فرمایا ہے بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

فھذا اخر الکلام فی ھذا المقام واللہ ولی
الانعام والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ
والہ الغر الکرام ولعنۃ اللہ علی اعدائھم
الکفرۃ الفجرۃ اللئام نمقہ الاحقر
الا فقر خادم الشرع الاطہر

علی اظہر

حشرہ اللہ مع النبی
صلی اللہ علیہ
والہ خیر
البشر

۱۲
دسمبر ۱۹۲۵ء

راضی برضا جن کی ہے کہ خاصانِ خدا ہیں ++++ تسلیم و رضا سے ہے رضا جی

لمعة الضیا فی العمدة من اخبار الرضاء

یعنے

مکمل سوانح عمری حضرت امام رضا علیہ السلام بزبان اُردو

امامیہ سلسلہ کے آٹھویں امام مہبط روح الامین رگھر) کے پلے ہوئے شہزادے گنجینہ رموز الٰہیہ وارث علوم لدنی والے عہد امامت والے ولایت حضرت شاہ ولایت ہشتمیں آسمان امامت و رسالت گوہر شبچراغ حریم رسالت پناہی جوہر ذوالفقار شیر بلد ید الٰہی الامام ابن امام ابن امام ابن امام الرضا بالقدرة والقضا الرضا المرتضے المجتبےٰ کی مکمل سوانحعمری جسکو مولوی سید مظہر حسن صاحب مصنف تہذیب المتین وغیرہ نے تصنیف فرماکر اسلام اور اسلامیوں پر احسان عظیم فرمایا ہے چونکہ حضرت رضاؑ کا زمانہ عباسیوں کا عہد شباب تھا اسلئے اس بے بہا کتاب سے عام مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی دو حالتوں کے تقابل کا نظارہ گھر بیٹھے میسر آجائیگا دیکھنے والے مشہور اور فاضل مصنف کی محنت کے قائل ہی نہ ہونگے بلکہ اس بےنظیر کتاب سے مصائب میں گر گر کر نکلجانے اور جان و مال کے دشمنوں میں رہکر پایۂ بلند پر قائم رہنے کا سبق حاصل کرینگے آخیر میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اسلامی لائبریری میں اس بے بہا کتاب کے شان کی دوسری کتاب نہیں ہے اسکی قیمت نہایت قلیل رکھی ہے کاغذ اور خط کی عمدگی چھپائی کی خوبی قیمت سے کہیں زیادہ معاوضہ ہے اور مضامین کا دریا مفت بہا دیا ہے سے

بھائیو آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے   چشمۂ فیضِ ولی ابن ولی جاری ہے

قیمت عہ

ملنے کا پتہ منیجر امامیہ کتب خانہ لاہور (ریلوے روڈ)